بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رازِ طہارت

صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی حیات وسیرت کے مختلف گوشوں پر اظہارِ خیال

از

آیت اللہ العظمیٰ سیّد محمد حسین فضل اللہ

ترجمہ

سیّد سعید حیدر زیدی شہید

ناشر

باب العلم دار التحقیق

فروغ ایمان ٹرسٹ (مسجد باب العلم) شمالی ناظم آباد، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب .... رازِ طہارت

مؤلّف .... آیت اللہ العظمیٰ سیّد محمد حسین فضل اللہ

ترجمہ .... سیّد سعید حیدر زیدی شہید

زیر نگرانی.................................... حجۃ الاسلام مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی

عربی تصحیح..مولانا منظور حسین ابوالحسنی

پیج سیٹنگ... مجاہد حسین حرؔ

تصحیح...سیّد ذوالفقار حسین نقویؔ

ناشر .... باب العلم دارالتحقیق، کراچی

تاریخ اشاعت .... ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ ہجری

قیمت..۱۳۰ روپے

ملنے کا پتا:

الحسن بک ڈپو

مسجد و امام بارگاہ باب العلم، بلاک ڈی، شمالی ناظم آباد، کراچی

احمد بک سیلرز۔ اسٹاکسٹ اینڈ ہول سیلرز۔718 بلاک 20 فیڈرل بی ایریا، انچولی، کراچی (پاکستان)

فون نمبر:021-36364924\021-36805931

فہرست

عرض ناشر ۷
فاطمہ زہراؑ تمام مسلمانوں کے نزدیک قابلِ احترام ۱۰
حضرت فاطمہ زہراؑ کا تذکرہ ۱۰
جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی توصیف حضرت عائشہ کی زبانی ۱۱
آپؑ کے بچپن کا زمانہ ۱۲
جیسے مکّے میں ویسے ہی مدینے میں ۱۳
فاطمہؑ کی علمی شخصیت ۱۴
عالمین کی عورتوں کی سرداری ۱۵
فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خواتینِ عالم کے لیے اُسوۂ عمل ۱۶
حضرت فاطمہؑ کا روزِ ولادت عالمی یومِ خواتین ہے ۱۷
فضائل کے اعتبار سے مرد و زن میں کوئی فرق نہیں ۱۸
گھر کا انتظام ۲۰
فاطمہؑ ایک کامل ماں کا نمونہ ۲۱

علیؑ و فاطمہؑ مکتب رسولؐ کے اوّلین طالب علم ۲۴
حضرت فاطمہؑ کی منفرد خصوصیات ۲۵
فاطمہؑ باوفاترین شریکِ حیات ۲۸
فاطمہ زہراؑ مصلح و رہنما ۲۹
فاطمہ سلام اللہ علیہا مجاہد خطیب ۳۱
فاطمہ زہراؑ عورتوں کی سیاسی رہنما ۳۲
فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سرچشمۂ فضائل ۳۳
فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اُسوۂ دین داری ۳۵
کم عمری اور عظیم ذمّے داری ۳۵
ماں کا عکس ۳۶
فاطمۃ الزہراؑ کی عصمت ۳۹
زہراؑ اور مریمؑ مشترک اور مختلف نکات ۴۱
عبادت اور تقویٰ ۴۱
جہادِ زہرا علیہا السلام ۴۲
سراپا احتجاج ۴۳
رازِ طہارت ۴۵
زہراؑ، کلامِ پیغمبرؐ میں ۴۸
رسول کریمؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ۵۱
اُمِّ اَبِیھَا (اپنے باپ کی ماں) ۵۳
علیؑ و فاطمہؑ آئینۂ پیغمبرؐ ہیں ۵۵
جنگوں میں بھی والد کے ہمراہ ۵۸
حضرت علیؑ سے شادی ۵۸
شوہر کے ساتھ ہم آہنگی ۶۲

اَلْجَارَ ثُمَّ الدَّ ارَ ۶۳
تسبیحاتِ زہرا سلام اللہ علیہا ۶۶
عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں حضرت زہراؑ کا کردار ۶۸
خطبۂ زہرا سلام اللہ علیہا ۷۰
حضرت زہراؑ کی مظلومیت ۷۱
مہاجرین اور انصار سے آپؑ کی گفتگو ۷۴
حضرت ابوبکر وعمر سے گفتگو ۷۶
اپنے والد گرامیؐ کے فراق کا غم واندوہ ۷۹
سیرتِ فاطمہؑ کے پیغام ۸۲
ا۔ آپؑ کا پورا وجود اسلام کے لیے وقف تھا ۸۲
۲۔ پہلے ہمسائے بعد میں گھر ۸۴
۳۔ زندگی میں استقامت ۸۹
۴۔ عورتوں کی سیاسی سرگرمیوں کا جائز ہونا ۹۰
حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی عبادت اور دُعا ۹۶
حضرت فاطمہؑ کی نگاہ میں عبادت کا مفہوم ۹۶
حضرت فاطمہؑ کی عبادت کا انداز اور مقدار ۹۷
حضرت فاطمہؑ کی دُعا اور تسبیحات ۱۰۱
دعا اور مناجات کے لیے بہترین وقت ۱۰۱
ضمیمہ: ۱۰۳
حضرت زینب سلام اللہ علیہا...... پاسبانِ کربلا ۱۰۳
نسوانی نمونۂ عمل کی ضرورت ۱۰۴
کربلا ایک مثالی جہاد ۱۰۵
کوفے میں جہادی موقف ۱۰۷

اہل بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدی بنانے پر اعتراض ۱۱۳
کون سی کامیابی......؟ ۱۱۴
یزید کی تذلیل ۱۲۰
یہ زینبؑ کون ہیں؟ ۱۲۱
احادیثِ حضرتِ فاطمہؑ ۱۲۳
حضرت فاطمہؑ کے فضائل ۱۲۶
حضرت فاطمہؑ کی احادیثِ رسولؐ کی جانب خصوصی توجّہ ۱۲۷
فضائل حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ۱۳۰
حضرت فاطمہ الزہراؑ سیّدۃ النساء العالمین ۱۳۱
حضرت فاطمۃ الزہراؑ اپنے والد کی مونس و غمخوار ۱۳۲
اسلام کے خلاف سازشوں سے باخبر ۱۳۳
فاطمۃ الزہراؑ میدان جنگ میں بھی ۱۳۳
فاطمۃ الزہرا مثالی زوجہ ۱۳۳
فاطمۃ الزہراؑ گھریلو زندگی ۱۳۵
کاموں کی تقسیم ۱۳۵
شوہر سے فرمائش نہ کرنا ۱۳۶
فاطمہ زہراؑ عبادت الٰہی ۱۳۶
حضرت علی علیہ السلام کے حق کا دفاع ۱۳۷
قصیدہ درشانِ حضرتِ سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ۱۳۸
مطبوعاتِ باب العلم دارالتحقیق ۱۴۰

عرض ناشر

اپنے اکابرین کا ذکر اور مختلف مناسبتوں سے اُن کی یاد منانے کا اہتمام، قوموں کو اپنے ماضی سے جوڑے رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اور اگر یہ اکابرین ان اقوام کے دینی رہنماؤں کی حیثیت رکھتے ہوں، تو یہ عمل ان دینی رہنماؤں کی سیرت و کردار اور تعلیمات سے ان اقوام کے منسلک رہنے کا موجب ہوتا ہے۔

اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے معصومینؑ سے منسوب ایام کو منانے کی تاکید کی گئی ہے۔ لہٰذا ان ایام سے یہ استفادہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ان مواقع پر منعقدہ اجتماعات میں معصومینؑ کی سیرت و کردار اور تعلیمات پیش کی جائیں، ان کی تعلیمات اور سیرت میں موجودہ حالات اور تقاضوں سے مطابقت رکھنے والے نکات تلاش کر کے ان کے ذریعے قوم کی رہنمائی کی جائے۔

ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کیا ہمارے یہاں ان مناسبتوں سے یہی استفادہ کیا جارہا ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ معصومینؑ کے نام پر منائے جانے والے جشن کے پروگرام بے ہنگم شور شرابے، تکلیف دہ آتش بازی، غیر حقیقی اور غلو آمیز فضائل کے بیان کی وجہ سے اپنی

افادیت کھوکر بے فائدہ اور مکتب کے لیے خدانہ خواستہ نقصان دہ ہو رہے ہوں؟

اسی طرح عزاداری کے اجتماعات کا مقصد بھی کہیں (ہر طریقے سے) محض رونا اور رلانا ہی تو نہیں رہ گیا؟

ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ ان اجتماعات سے کیا پیغام عام ہوتا ہے؟ ان کے سامعین کیا ذہنیت لے کر اٹھتے ہیں؟ ان میں اہلِ بیتؑ کی زندگی اور ان کے مقاصد کا کتنا شعور پیدا ہوتا ہے؟ ان مقاصد کے سائے میں وہ آج اپنے لیے کن فرائض کا تعین کرتے ہیں، اپنی کیا ذمّے داری محسوس کرتے ہیں؟

یا یہ اجتماعات بھی غیر منطقی، لاحاصل، فرقہ وارانہ، اسلام اور مسلمانوں کے مفادات سے غیر متعلق موضوعات پر گفتگو کا فورم بن گئے ہیں؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ بیتؑ سے منسوب ایام کو ان کی تعلیمات، ان کے مقاصد، ان کے مشن اور ان کی تمناؤں سے وابستگی اور اسلامی اقدار کے احیا کی مناسبتوں کے طور پر منایا جائے، اور ان میں سے ہر مناسبت قدم بقدم ہماری پیش رفت کا پتا دے رہی ہو، نہ کہ ہمارے پاس پیش رفت اور پس رفت کا کوئی احساس ہی نہ ہو اور ہم ان مناسبتوں پر محض ان کے انعقاد میں غرق ہو کر رہ جائیں۔

آیت اللہ العظمیٰ سیّد محمد حسین فضل اللہؒ عصر حاضر کے ان مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف معصومینؑ کی سیرت کو اُس کی جامعیت کے ساتھ پیش کیا، بلکہ انہی تعلیمات کی روشنی میں کئی نسلوں کی تربیت کی اور یہی ان کا خاصہ تھا۔ اسی خصوصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم ان کے مختلف خطبات کو کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ان خطبات اور مقالات کو شہید سیّد سعید حیدر زیدیؒ نے اپنی زندگی کی آخری دہائی کے مختلف مواقع پر اُردو کے قالب میں ڈھالا تھا۔

باب العلم دار التحقیق کی یہ کوشش ہے کہ علمی وفکری مضامین کو افادۂ خاص و عام کے

لیے پیش کیا جائے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام مولانا سیّد محمد علی تقوی کے مشورے اور رہنمائی پر یہ مفید کتاب پیش کررہے ہیں۔

امید ہے ہماری یہ پیشکش بارگاہِ خداوندی میں باریاب اور محترم قارئین کے لیے سیرتِ اہل بیتؑ سے بہتر آشنائی میں رہنما ثابت ہوگی۔

والسلام

سیّد شہنشاہ حسین نقوی

مدیر باب العلم دار التحقیق کراچی

مورّخہ: ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ ق، یوم ولادت باسعادت سیّدۃ نساء العالمین، صدیقۂ کبریٰ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا (عالمی یوم خواتین)

فاطمہ زہرا ؑ تمام مسلمانوں کے نزدیک قابلِ احترام

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیّدنا محمد وآلہٖ الطیبین واصحابہ المنتجبین وعلیٰ جمیع الانبیاء اللہ المرسلین۔

حضرت فاطمہ زہرا ؑ کا تذکرہ

سیّدہ، طاہرہ، معصومہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں حدیث میں بیان ہوا ہے:

"فاطمہ ؑ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں، فاطمہ ؑ مومنین کی عورتوں کی سردار ہیں، فاطمہ ؑ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔"

احادیثِ رسول ؐ میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ایسی ہی اور دوسری عظمتیں بیان ہوئی ہیں۔

خاتونِ جنت اگرچہ اپنے سنِ شباب سے آگے نہ بڑھ سکیں، لیکن آپ ؑ نے اپنی شخصیت کے ظاہری اور باطنی عناصر کے ذریعے اپنے عہد کے لوگوں کی محبت اور عقیدت حاصل کی۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ کی شخصیت تمام مسلمانوں کے نزدیک مقدس اور محترم ہے۔ چنانچہ جب ہم مسلمان (سنّی، شیعہ) علماء کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ وہ آپؑ کی ممتاز شخصیت اور آپ کی صفاتِ حمیدہ بیان کرتے ہوئے، آپؑ کا نام محبت اور احترام کے ساتھ لیتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والے مذہبی اختلاف کے باوجود ہم آپؑ کو تمام مسلمانوں کے سامنے ایک ایسی شخصیت کے طور پر پیش کر سکتے ہیں، جس کے حضور تمام مسلمانوں کے سر احترام سے جھکتے ہیں۔ البتہ اس لیے نہیں کہ وہ رسول مقبولؐ کی بیٹی ہیں، بلکہ اس لیے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنی سیرت و کردار کو رسولِ مقبولؐ کی سیرت و کردار میں ڈھال لیا تھا۔

جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی توصیف حضرت عائشہ کی زبانی

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شخصیت اور آپ کی سیرت و کردار کو آپ کے والد رسولِ مقبولؐ کی زوجہ حضرت عائشہ اس طرح بیان کرتی ہیں:

"مَا رَاَيْتُ مِنَ النَّاسِ اَحَدًا اَشْبَهَ كَلَامًا وَ حَدِيْثًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ رَحَّبَ بِهَا وَ قَبَّلَ يَدَيْهَا وَ اَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهِ فَاِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَرَحَّبَتْ بِهِ وَ قَبَّلَتْ يَدَيْه"[۱]

"میں نے اندازِ گفتگو میں کسی کو رسولؐ سے اتنا مشابہ نہیں دیکھا جتنا فاطمہؑ رسولؐ سے مشابہ تھیں۔ جب فاطمہؑ خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوتی تھیں، تو انہیں آنحضرتؐ خوش آمدید کہتے تھے، آپ کے دونوں ہاتھوں کو چومتے تھے، اپنی جگہ بٹھاتے تھے اور جب رسولؐ ان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے، تو وہ آپؑ کی

[۱] بحارالانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۲۵۔ باب ۳۱۔ روایت ۲۲

تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتی تھیں، آپ کو خوش آمدید کہتی تھیں اور آپؐ کے دونوں ہاتھوں کو چومتی تھیں۔"

دوسری روایت میں ہے:

"تَمْشِیْ مَا تُخْطِئُ مِشْیَتُهَا عَنْ مِشْیَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ"[1]

"فاطمہ زہراؑ رسول اللہؐ کی مانند چلتی تھیں، آپؐ ہی کی طرح قدم اُٹھاتی تھیں۔"

ایک حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ آپؑ شکل وصورت میں بھی رسول اللہؐ سے مشابہ تھیں۔ لیکن جب ہم آپؑ کی شخصیت کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اپنے آپ کو رسول مقبولؐ کی سیرت میں ڈھالا تھا، اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔

آپؑ کے بچپن کا زمانہ

اپنے بچپن میں آپؑ اپنے والد رسولِ مقبولؐ کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں۔ جب رسولؐ نماز کے لیے تشریف لے جاتے، تو فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی آپ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ حالانکہ بعض مؤرخین کے بقول اس وقت آپؑ کی عمر محض پانچ برس تھی، جبکہ بعض مؤرخین نے اس وقت آپؑ کی عمر زیادہ سے زیادہ دس برس لکھی ہے۔

فاطمہ زہراؑ مسجد میں رسولِ کریمؐ پر اور آپؐ کے ارد گرد موجود اُن مشرکین پر نظر رکھتی تھیں جو آپؐ کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ ایک روز انہوں نے دیکھا کہ مشرکین آپؐ کی پشتِ مبارک پر اوجھڑیاں ڈال رہے ہیں، یہ دیکھ کر آپؑ روتی ہوئی دوڑیں اور اُس غلاظت کو آپؐ کی پشت سے اُٹھا کر دور پھینک دیا۔ جیسا کہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں، صحیح ابن حبان سے نقل

[1] بحارالانوار، ج ۷۳، ص ۶۷، باب ۴۳، روایت ۳۸

کیا ہے۔ ایک روز رسولؐ نے دیکھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا گریہ کررہی ہیں، آنحضرتؐ نے دریافت کیا: "بیٹی کیوں رو رہی ہو؟"

عرض کیا: "مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ابوجہل وغیرہ آپ کو قتل کرنے کی سازش تیار کررہے ہیں۔"

رسول مقبولؐ نے آپ کو تسلی دی۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے والد سے تعلیم حاصل کرتی تھیں اور اپنی محبت سے اپنے والد کو اتنا سرشار رکھتی تھیں کہ آپؑ کے والد نے آپ کے بارے میں فرمایا: "اِنَّهَا اُمُّ اَبِيْهَا۔"

جیسے مکّے میں ویسے ہی مدینے میں

ہم دیکھتے ہیں کہ محبت وعقیدت کا یہ سلسلہ مدینے تک جاری ہے۔ آپؑ نے بھی مدینے میں رسولِ مقبولؐ کے ساتھ رہنے کی غرض سے ہجرت کی۔ آپؑ آنحضرتؐ کے ہمراہ اُن کی جنگ میں، اُن کی صلح میں اور اُن کی دعوت میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرتی رہیں۔ چنانچہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا گھر، رسولؐ کا گھر تھا۔ جب رسول مقبولؐ کی کسی سفر سے واپسی ہوتی، تو آپ پہلے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر تشریف لاتے، اس کے بعد اپنے گھر جاتے اور جب آپؐ کسی سفر کے لیے نکلتے، تو سب سے آخر میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر سے وداع ہوتے۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو محسوس ہوجاتا تھا کہ رسول مقبولؐ کو کون سی چیز پسند آرہی ہے اور کون سی چیز ناگوار گزر رہی ہے۔ رسولِ کریمؐ بھی ان پر اپنی محبت واُلفت نثار کرتے تھے اور اپنی بیٹی کو دل سے چاہتے تھے۔

آنحضرتؐ کو خدا نے جو روحانیت عطا کی تھی، اُس کے سبب آپ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے باطن کو جانتے تھے۔ آپؐ دیکھتے تھے کہ آپؐ کی بیٹی اور آپؐ کی شاگرد کس طرح رات کے سنّاٹے میں بارگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری کرتی ہے۔ رسولِ مقبولؐ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی گفتگو کو

دیکھتے تو انہیں تمام مسلمانوں سے سچا پاتے۔ اس بات کی گواہی زوجۂ رسولؐ حضرت عائشہ نے بھی دی ہے، وہ کہتی ہیں:

"مَا رَاَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَصْدَقَ لَهْجَةً مِنْهَا اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ الَّذِیْ وَلَدَهَا۔" [1]

"میں نے کسی کو فاطمہؑ سے زیادہ سچا نہیں دیکھا، ماسوا اُن کے والد کے۔"

یہ صداقت فاطمہؑ نے اپنے پدرِ بزرگوار سے سیکھی تھی، کیونکہ وہ اللہ کے سچے ترین رسولؐ اور صادق و امین تھے اور قدرتی بات ہے کہ فاطمہؑ بھی انتہائی سچی اور تمام معانی میں امانتدار تھیں۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رسولِ مقبولؐ کی ہم فکر تھیں، انہوں نے رسولِ کریمؐ کے مدرسے کے سوا کسی مدرسے میں قدم نہیں رکھا اور جو کچھ سیکھا خانۂ رسولؐ ہی سے سیکھا۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ایسے علوم و معارف کی حامل تھیں، جس کی مثال ہمیں اُس دور کے مسلمانوں میں علیؑ کے سوا کہیں اور نہیں ملتی۔

فاطمہؑ کی علمی شخصیت

اکثر اہلِ قلم کی مشکل یہ ہے کہ انہوں نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی علمی شخصیت کا مطالعہ نہیں کیا اور جب ہم ان کلمات اور خطبوں کو دیکھتے ہیں جو تاریخ نے بیان کیے ہیں اور ان میں موجود خصائص کا علمی اعتبار سے مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان میں معارفِ توحید، معارفِ نبوت، اسلامی تحریک کے معارف اور وہ اجتماعی تہذیب موجود ہے جس کے سائے میں رسولِ مقبولؐ کے ساتھ رہنے والے مسلمان زندگی بسر کرتے تھے اور بحث و مباحثے کا وہ انداز بھی موجود ہے جو اُس زمانے کے مسائل کے بارے میں قرآنِ مجید کی محکم

---

[1] المستدرك على الصحيحين ج ۳، ص ۱۷۵

دلیلوں سے استدلال کی صورت میں رائج تھا۔

جب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حضرت علی علیہ السلام کے حق کے تحفظ کے لیے بحث کرتی ہیں، تو جذباتی انداز سے بحث نہیں کرتیں، بلکہ علمی، فکری اور خارجی حقائق کی روشنی میں بحث کرتی ہیں۔ ہم مفکرین اور اہلِ قلم کو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے مطالعے کی دعوت کے ساتھ ساتھ اُن کی علمی شخصیت کے مطالعے کی بھی دعوت دیتے ہیں۔ ہمیں آپؑ کی شخصیت کے روحانی پہلو کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے، جو خدا کے ساتھ آپؑ کے تعلق پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں آپؑ کے علمی، جہادی اور سیاسی افکار کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔

عالمین کی عورتوں کی سرداری

عزیزو! جب ہم لفظ سیّدۃ نسا العالمینؑ کو دیکھتے ہیں، تو اس سے آپؑ کی شخصیت کے وہ خصائص و کمالات جلوہ گر نظر آتے ہیں جن کے ذریعے ایک خاتون امتیاز حاصل کرتی ہے اور جو ایک عورت کا درجہ بلند کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ بلندی کی آخری حدوں پر فائز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عالمین کی عورتوں کی سردار ہونا، کوئی ایسا منصب اور مقام نہیں، جو آپؑ کو اہلیت و استحقاق کے بغیر دیا گیا ہو، بلکہ یہ مرتبہ آپؑ کی شخصیت کی اس شرافت اور عظمت کی بنا پر عطا کیا گیا ہے جس کو خدا جانتا ہے۔

❁❁❁❁❁

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خواتینِ عالم کے لیے اُسوۂ عمل

رہبرِ امت اسلامی امام خمینیؒ نے عالم انسانیت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"مناسب ہے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے یوم ولادت کو "یوم خواتین" کا نام دیا جائے۔"

اس دن کو کیوں "یوم خواتین" کے عنوان سے منتخب کیا گیا، یہ مسئلہ مختلف پہلوؤں سے غور و فکر کے قابل ہے۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے دورِ جوانی کو بھی تکمیل تک نہ پہنچا سکی تھیں۔ بچپنے ہی سے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ درد و الم اور روحانی اذیتوں سے پُر تھا۔ ہم نے کسی اور کے بچپنے میں ایسے حالات کا مشاہدہ نہیں کیا، یہی حال آپؑ کی مختصر جوانی کا بھی تھا۔

مختصر ہونے کے باوجود حضرت زہرا علیہا السلام کی حیات کو جس چیز نے قابل توجّہ بنایا ہے، وہ اس کی گہرائی اور بھرپوریت ہے۔ البتہ ایک انسان کی زندگی کی اہمیت کا تعلق اس کی زندگی کی طویل مدت اور اس کے گزارے ہوئے ماہ و سال سے نہیں ہے بلکہ اس کی حیات کی گہری اور قابلِ قدر افادیت ہے جو زمانے کو اہمیت کا حامل بناتی ہے اور اسے فکر، تحرک اور تازگی بخشتی ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات کسی فرد کی زندگی کا ایک لمحہ کسی دوسرے کی زندگی کے کئی برس کی برابری کرنے لگتا ہے جیسے انکشافات و اختراعات کرنے والوں، عظیم کارنامے

انجام دینے والوں اور ایسے لوگوں کی زندگی جنہوں نے انسانی معاشرے کی کوئی خدمت کی ہے، ان کی حیات کی ایک ایک ساعت ہزار ہزار سال کے مساوی ہے۔

بنابرایں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کا جائزہ اس کی طوالت اور آپؑ کی مدت عمر کا جائزہ نہیں بلکہ آپؑ کی حیات کی گہرائی، وسعت اور بھرپوریت کا جائزہ ہے۔

حضرت فاطمہؑ کا روزِ ولادت عالمی یومِ خواتین ہے

اگر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے روزِ ولادت کو "یوم خواتین" کا نام دیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے تاریخ صرف مردوں سے مخصوص تھی اور مردوں نے عورت کی زندگی کو اپنے زیر اثر لے رکھا تھا اور اسے فکری لحاظ سے سامنے آنے کا میدان فراہم نہ کیا تھا۔ مرد نے عورت کو اپنے وجود میں صلاحیتوں سے مستفید ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔ تاریخ کے اس حصہ میں عورت کا کردار طفیلی حیثیت رکھتا تھا اور وہ مرد ہی کا ایک جز شمار کی جاتی تھی۔ اس ماحول کے زیر اثر عورت بھی اپنے آپ کو ایک مستقل انسان نہ سمجھتی تھی۔

اسلام نے اس صورتحال پر ضرب لگائی اور مرد و زن کو اپنی اپنی مناسب ذمّے داریاں قبول کرنے کی تلقین کی۔ دونوں کی نوع کو جدا جدا معین کیا۔ کیونکہ عورت اور مرد دونوں اس نوع کے مطابق جس کے وہ حامل ہیں اور ان عناصر کے لحاظ سے جو ان کی تکوین اور تکامل کے لیے ضروری ہیں، مختلف کردار رکھتے ہیں اور انسانیت کے دائرے میں ان کا یہ تنوّع ان کے تکامل کا موجب ہے اور اس فرق سے ایک کی دوسرے پر برتری لازم نہیں آتی، کیونکہ انسان کی فضیلت اُس کی عقل، روح اور عمل سے وابستہ ہے نہ کہ اس کی جنس سے اور مرد و زن کے درمیان یہ امتیاز ان دونوں کی خاص نوعی خصوصیات کا نتیجہ ہے۔

فضائل کے اعتبار سے مرد وزن میں کوئی فرق نہیں

اسلام نے قرآنِ مجید میں معاشرتی زندگی کے مجموعی خطوط بیان کرنے کے بعد (مردوں یا عورتوں کی جانب سے انجام دیئے جانے والے) بافضیلت اعمال کا ذکر کیا ہے۔ قرآنِ کریم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ جب عمومی ذمّے داری اور فرائض کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو صرف مردوں سے بات نہیں کرتا بلکہ معاشرے کے دونوں طبقوں یعنی مرد وزن سے ایک ساتھ مخاطب ہوتا ہے۔ مثلاً سورۂ احزاب کی ایک آیت میں فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ [۱]

"اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں کہ جب خدا اور رسولؐ کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ اس بارے میں اپنی مرضی سے عمل کریں۔"

مومن مرد وزن اپنے فریضہ اور ذمّے داری پر عمل کرتے ہیں تاکہ اُن تمام چیزوں کو عملی جامہ پہنائیں، جن کی خدا نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی ہے اور خداوند عالم کے صریح اور قطعی خطاب میں دونوں شامل ہیں۔

اسی طرح جب خداوندِ عالم عملِ خیر کے لیے کوشش اور جدوجہد کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور نیک عمل کی جزا، اجر اور پاداش کا مسئلہ پیش کرتا ہے تو عورت اور مرد دونوں کو ایک ساتھ مخاطب کرتا ہے:

اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ [۲]

---

[۱] سورۂ احزاب ۳۳، آیت ۳۶

[۲] سورۂ آل عمران ۳، آیت ۱۹۵

"میں کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔"

میدانِ حیات میں کاروکوشش، سعی و جہد کے سلسلے میں مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ بسا اوقات ایک عورت کا انجام دیا ہوا عمل بعض مردوں کے کیے ہوئے کاموں سے کہیں زیادہ مفید، ممتاز، گہرا اور ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے۔

اسی طرح جب ہم اسلام کے تفصیلی مصادر کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں بھی اعمالِ خیر کی انجام دہی کے بارے میں مرد وزن میں کوئی فرق نہیں پاتے اور ان کی فضیلتوں کے بارے میں بھی یکساں ذکر دیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ احزاب کی آیت ۳۵ میں پڑھتے ہیں کہ خداوندِ عالم کس طرح اچھی اور پسندیدہ صفات کے اُخروی نتائج سے عورتوں کو بھی آگاہ کرتا ہے اور مردوں کو بھی اور اس قسم کی صفات میں مرد وزن کو مساوی قرار دیتا ہے:

"اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَ الصَّابِرَاتِ وَ الْخَاشِعِيْنَ وَ الْخَاشِعَاتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّائِمَآتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔" [1]

"بے شک مسلمان مرد مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں اور اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور

---

[1] سورۂ احزاب ۳۳۔آیت ۳۵

روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عفت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں، خداوندِ عالم نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے۔"

اعمالِ فضیلت، عقیدے اور عملِ صالح کی قدر و قیمت اور مرتبہ و مقام میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ مرد وزن کی انسانیت نے اسلام، ایمان، اطاعت گزاری، سچائی، صبر، فروتنی، صدقہ، روزہ، عفت اور یادِ خدا کے وسیلہ سے ان کی حیات کو مالا مال کر دیا ہے۔

گھر کا انتظام

یہ جو قرآن کریم میں آیا ہے:

"اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"[1]

"مرد عورتوں کے محافظ و منتظم (حاکم) ہیں (ایک) اس لیے کہ اللہ نے بعض (مردوں) کو بعض (عورتوں) پر فضیلت دی ہے۔"

تو اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے بلکہ یہ اُمور و معاملات کی نگرانی کے مسئلے کو بیان کرتی ہے۔ ہر چند گھر میں عورت صاحب اختیار اور قوام ہے لیکن اس کی یہ قوامیت صرف گھریلو اُمور تک محدود ہے، زندگی کے تمام معاملات پر محیط نہیں۔ کیونکہ ہر ادارے کا صرف ایک نگراں اور سرپرست ہوتا ہے۔ اگر ایک ہی ادارے میں کئی نگراں اور سرپرست ہوں تو اس کا انتظام و انصرام مشکل ہو جائے گا اور اس کے تمام اراکین کی تکلیف کا باعث ہوگا۔

---

[1] سورۂ نساء ۴، آیت ۳۴

لہٰذا جب خداوندِ عالم مشترکہ زندگی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو لازماً اسے ایک ایسی زندگی ہونا چاہیے جس کا اپنا ایک خاص قانون ہو، ایک ایسا قانون جس میں کبھی مرد کو عورت پر قوامیت حاصل ہوگی اور کبھی اس کے برعکس ہوگا۔ کیونکہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے:

"وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ اَنفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً"

"اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے خود تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے۔"[1]

مشترک زندگی، محبت آمیز زندگی ہے، ایک ایسی محبت جو دل سے دل کو ملا دیتی ہے، ایسی محبت جو روحوں کے ملاپ کا باعث ہوتی ہے، ایسی محبت جو انسانی محبت اور رحمت سے شروع ہو کر انسانوں کی وسعت اور حوصلے کی پیمائش کا پیمانہ بن جاتی ہے۔

اسلام کی نظر میں انسان کی فضیلت اس میں پائی جانے والی انسانیت سے ہے اور مرد یا عورت انسانی تنوّع میں دو تفصیلی خط ہیں کہ جن میں سے ہر ایک دوسرے کے وجود کے کسی حصے کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ عورت ایک خاص قسم کی روح اور جذبات سے مالا مال ہے جبکہ مرد ایک دوسری قسم کی روح، جذبات اور عقل کا مالک ہے۔ وہ دونوں اسی طرح زندگی کے طویل دور میں اپنے کمال و تمام کو پہنچتے ہیں اور اس تکامل کے دوران ان کی انسانیت حقیقت کا روپ دھار لیتی ہے۔

فاطمہؑ ایک کامل ماں کا نمونہ

زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے بچپنے کی ابتدا ہی سے اپنے والد گرامی کے کاندھوں پر اسلامی

---

[1] سورۂ روم، ۳۰، آیت ۲۱

دعوت اور اس کے خاص مسائل و مشکلات کا بوجھ محسوس کیا۔ آپؑ نے اپنے والد کو اس حال میں پایا جب وہ آپؑ کی والدہ کی محبت سے محروم ہو چکے تھے، وہ والدہ جنہوں نے اپنا سب کچھ اپنے شوہر کی راہ میں نثار کر دیا۔ خدیجہؑ نے اپنے قلب، فکر، مال و وسائل کو آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا تھا کہ آپؐ کی دعوت مثبت نتائج سے ہمکنار ہو سکے۔

اُس دور میں پیغمبر اسلامؐ کا گھرانہ، خود آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خدیجہ سلام اللہ علیہا اور علی علیہ السلام پر مشتمل تھا۔ اسی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ علیؑ روحانی اور تربیتی لحاظ سے پیغمبرؐ کے فرزند ہیں۔ پیغمبرؐ حضرت علی علیہ السلام کو آغوش میں لیتے، انہیں سونگھتے اور ہر روز اپنے اخلاق میں سے کسی خلق کی انہیں تعلیم دیتے اور علی علیہ السلام بھی مسلسل پیغمبرؐ کے گرد اگرد رہتے اور لمحہ بھر کے لیے آپؐ سے غافل نہ ہوتے۔

زہرا سلام اللہ علیہا کی تربیت اسی گھر میں ہوئی۔ اس حسّاس دور میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی عمر کیا تھی، گو کہ اس بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے، بعض اس وقت آپؑ کی عمر دس سال بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک آپؑ پانچ سال کی تھیں، اس کے باوجود ایک بات واضح ہے اور وہ یہ کہ زہراؑ اُس نازک دور میں بچپنے کی حدود میں تھیں لیکن انہوں نے جو کام انجام دیے وہ ایک بچے کی طاقت اور توان سے کہیں زیادہ تھے۔

زہرا سلام اللہ علیہا اپنے والدِ ماجد کی ذمّے داری اور دعوت (تبلیغ) کے پیش نظر اپنے کردار سے بخوبی واقف تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اس مرحلے میں اور اپنے درد و الم کی تسکین کے لیے پیغمبرؐ ایک شریکِ کار اور ہمراہ چاہتے ہیں۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کے اس مرحلے کے بارے میں ہم اس سے زیادہ نہیں جانتے اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے پیغمبرؐ کے ذاتی تعلق کی کیفیت کے بارے میں بھی لاعلم ہیں۔ البتہ یہ جانتے ہیں کہ ایک روز زہرا سلام اللہ علیہا نے پیغمبرؐ کو اس حال میں دیکھا کہ مشرکین کی جانب سے پھینکی جانے والی جانور کی اوجڑی آپؐ کے جسمِ اطہر پر پڑی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر زہرا سلام اللہ علیہا بے تابانہ روتی ہوئی دوڑتی ہیں اور اپنے

ننھے ننھے ہاتھوں سے پیغمبرؐ کے جسم سے اس غلاظت کو دور کرتی ہیں۔ اس حال میں آپؐ کی آنکھوں سے لگا تار اشک رواں تھے۔ زہرا سلام اللہ علیہا ان ہاتھوں اور ان آنکھوں کے ساتھ پیغمبرؐ کی نصرت کے لیے آگے بڑھیں اور اس مشکل اور اذیت میں اُن کی شریکِ حال ہوئیں۔

(جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں) ہم زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کے اس حصے کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتے لیکن پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمانا کہ "فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے۔" اس مرحلۂ حیات کے بارے میں بہت سے مسائل کو حل اور واضح کر دیتا ہے۔ کیونکہ لفظ "ماں" کے تمام معنی اس آسمانی کلام میں پوشیدہ ہیں۔

ماں اپنے بچے کے لیے کیا کیا جتن کرتی ہے؟ ہاں! ماں اپنا پورا وجود اپنے بچے کے سپرد کر دیتی ہے، اپنی پوری روح، اپنے تمام حواس، اپنے مکمل احساسات اور اپنی پوری آغوش اپنے بچے کے اختیار میں دے دیتی ہے، اپنی پوری زندگی بچے پر فدا کر دیتی ہے تاکہ اس طرح بچے کے ہم و غم اور حزن و اندوہ کا خاتمہ کر دے۔

پیغمبرؐ بھی انسان ہیں۔ اپنی مادرِ مہربان کے سایہ عطوفت سے محروم ہو جانے کے بعد آنحضورؐ کی زندگی بھی غم و اندوہ سے پُر ہو جاتی ہے لیکن آپؐ کبھی شکوہ زبان پر نہیں لاتے۔ مگر آج اس پُرآشوب دور میں ایک مونس و غمخوار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو اس کمی کا ازالہ کرے اور ماں کا کردار ادا کرے۔ اس موقع پر زہرا سلام اللہ علیہا پیغمبرؐ کی مونس و غمخوار ماں کی جگہ لیتی ہیں۔ دوسرے انسانوں کی طرح رسولِ کریمؐ بھی انسانی احساس و ادراک کے مالک ہیں، وہ اس سخت مرحلے میں جبکہ دشمنوں کی طرف سے اہانت و اتہام اور سبّ و شتم کی زد پر ہیں، ایک سہارا چاہتے ہیں۔

جب پیغمبرؐ پر پتھروں کی بارش کی جاتی ہے اور مشرکین اذیت و آزار پہنچانے کا ہر طریقہ آپؐ کے خلاف استعمال کرتے ہیں، جب تمام شیاطین زمین اور انسانیت سے تہی دست افراد اپنی تمام قوتوں کے ساتھ رسولِ کریمؐ کو حملوں کا نشانہ بناتے ہیں تو ایسے موقع پر آپؐ کو

ایک ہمدم اور غمخوار کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ مونس و مددگار سوائے زہرا سلام اللہ علیہا کے کوئی اور نہیں ہوتا، وہی زہراؑ جو "اُمِّ ابیہا" ہیں اور وہی جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمی، روحی اور فکری دختر ہیں۔

علیؑ و فاطمہؑ مکتب رسولؐ کے اوّلین طالب علم

علی علیہ السلام و زہرا سلام اللہ علیہا مدرسۂ پیغمبرؐ کے سب سے پہلے شاگرد تھے۔ نزولِ وحی کے موقع پر علی علیہ السلام پیغمبرؐ کے ساتھ ہوتے، زہرا سلام اللہ علیہا بھی وہیں آ جاتیں، تینوں مل کر وحی کی قرأت کرتے۔ یہ دونوں پیغمبرؐ کے درد کو غور سے سنتے اور پیغمبرؐ ان کے لیے وحی کے معنی و مفہوم کی وضاحت کرتے۔

جو چیزیں بھی خداوندِ عالم نے انسانوں کے لیے اپنے پیغمبرؐ کو تعلیم دیں، وہ علی و فاطمہ علیہما السلام نے پیغمبرؐ سے سیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمی لحاظ سے زہرا سلام اللہ علیہا علی علیہ السلام ہی کی ہم پلہ تھیں اور یہی دیکھ کر اس جملے کے معنی سمجھ میں آتے ہیں:

"لَوْ لَمْ یَکُنْ عَلِیٌّ لَمَا کَانَ لِفَاطِمَةَ کُفْوٌ"

"اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کے لیے کوئی کفو اور ہمسر نہ ہوتا۔"

یعنی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور اُن کا علمی و فکری مقام اتنا بلند تھا کہ علی علیہ السلام کے سوا اُن کا کوئی ہمسر نہیں ہوسکتا تھا۔

زہرا سلام اللہ علیہا نے رسول کریمؐ کی روحانیت اور معنویت کے زیر سایہ زندگی بسر کی، یہی حال علی علیہ السلام کا بھی تھا۔ جب ہم امیر المومنینؑ کی روحانیت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں (وہ روحانیت جس کے تحت حضرت علی علیہ السلام خدا سے انتہائی اعلیٰ اور بلند درجہ کی محبت کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس محبت میں آپؑ نے پوری زندگی خود کو بھلائے رکھا) تو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام کی پوری زندگی خدا کے لیے تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ [۱]

"اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنے نفس کو پروردگار کی مرضی کے لیے بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔"

اور حضرت علی علیہ السلام دعائے کمیل ؒ میں خدا سے عرض کرتے ہیں:

"فَهَبۡنِىۡ يَا اِلٰهِىۡ وَ سَيِّدِىۡ وَ مَوۡلَاىَ وَ رَبِّىۡ صَبَرۡتُ عَلٰى عَذَابِكَ فَكَيۡفَ اَصۡبِرُ عَلٰى فِرَاقِكَ وَ هَبۡنِىۡ صَبَرۡتُ عَلٰى حَرِّ نَارِكَ فَكَيۡفَ اَصۡبِرُ عَنِ النَّظَرِ اِلٰى كَرَامَتِكَ" [۲]

"اے میرے معبود! اے میرے مالک! اے میرے مولا! اے میرے پروردگار! میں اگر تیرے دیئے ہوئے عذاب پر صبر کر بھی لوں تو تیری رحمت سے جدائی پر کیونکر صبر کر سکوں گا؟ اسی طرح اگر میں تیری آگ کی تپش برداشت کر بھی لوں تو تیری نظر کرم سے اپنی محرومی کو کیسے برداشت کر سکوں گا۔"

علی علیہ السلام آگ کے ذریعے جلائے جانے پر پریشان نہیں بلکہ آپؑ اس اندیشے سے مضطرب ہیں کہ کہیں خدا کی محبت سے محروم نہ ہو جائیں۔ یہی حبِّ الٰہی ہے جس نے علی علیہ السلام کو شمع رسالتؐ کا پروانہ بنائے رکھا، یہاں تک کہ آپؑ غارِ حرا کی تنہائیوں میں پیغمبرؐ کے ہمراہ مناجاتوں اور تضرع وزاری میں مصروف رہتے ہیں۔

حضرت فاطمہؑ کی منفرد خصوصیات

اگر علی علیہ السلام شب و روز پیغمبرؐ کے ہمراہ رہے تو فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی قدم بقدم ان دونوں

---

[۱] سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۰۷

[۲] دُعائے کمیل ؒ

کے ساتھ تھیں اور اسی چیز نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اس قابل بنایا کہ آج ہم نمونۂ عمل (Role Model) اور آئیڈیل کے عنوان سے ان کا نام لیتے ہیں۔

فاطمہ علیہا السلام کی تربیت اس طرح ہوئی کہ آپؑ اپنے درد والم پر دوسروں کے غم واندوہ کو ترجیح دیتی تھیں۔ آپؑ پہلے دوسروں کے لیے طلب حاجات کرتیں اور بعد میں اپنے لیے درخواست کرتیں۔ ایک روز جب جناب زہرا سلام اللہ علیہا نمازِ شب (تہجد) کے دوران دوسروں کے لیے مصروف دعا تھیں تو آپؑ کے فرزند امام حسنؑ نے عرض کیا:

"امّاں! اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتیں؟"

فرمایا:

"اَلْجَارَ ثُمَّ الدَّارَ"[1]

"بیٹا! پہلے ہمسائے بعد میں اپنا گھر۔"

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط"

"اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے خود انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔"[2]

یہ وہی گہری انسانی محبت ہے جو پہلے ہمسائے اور بعد میں اپنی ذات پر توجّہ کو کہتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ معنویت اور روحانیت اُس وقت انسانی قلب میں نشوونما پاتی ہے جب وہ اُلوہیت، عبودیت اور رسالت کے معنی درک کرلیتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ جب ایسے انسان کی روح اوج اور بلندی حاصل کرتی ہے اور اس روحانی حالت کے نتیجے میں وہ اپنی انفرادیت سے ماوراء ہوجاتا ہے اور خدا سے اس کا عشق تمام انسانوں سے محبت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ بنابریں ایسا انسان جو حُبِّ الٰہی سے مالا مال ہو، ممکن ہی نہیں کہ وہ دوسرے

---

[1] وسائل الشیعة، ج ۷، ص ۱۱۳

[2] سورۂ حشر ۵۹، آیت ۹

انسانوں کو نفرت و عداوت کی نگاہ سے دیکھے، کیونکہ:

"اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عِیَالُ اللہِ وَاِنَّ اَحَبَّھُمْ اِلَیْهِ اَنْفَعُھُمْ لِخَلْقِهٖ"[1]

"انسان خدا کے عیال ہیں اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے زیادہ سے زیادہ سودمند ہو۔"

زہرا سلام اللہ علیہا رسول کریمؐ کی ہمدرد اور غمخوار ہونے کے علاوہ اس حوالے سے بھی نمایاں اور بلند مقام پر فائز ہیں کہ انہوں نے ایک روحانی اور فیاض ہستی بن کر دنیا کو اپنی روحانیت سے فیضیاب کیا۔

زہرا سلام اللہ علیہا جب رخصت ہو کر اپنے شوہر علی علیہ السلام کے گھر چلی آتی ہیں تو اب ان کا یہ مشترکہ گھر مرکز اسلام بن جاتا ہے۔ علیؑ کی تمام تر جدوجہد دعوت و تبلیغ اسلام کے لیے تھی۔ فاطمہؑ نے بھی اسلام کے لیے صدا بلند کی اور لیے ان کی یہ صدا پورے عالم پر چھا گئی۔ اس گھر میں فاطمہ علیہا السلام اور علی علیہ السلام راہِ اسلام میں درپیش ہونے والے رنج و غم پر صبر کرتے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی گئی کہ گھر کے کاموں میں مدد کے واسطے فاطمہؑ کے لیے ایک خادمہ کا بندوبست فرما دیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے جواب دیا: ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ پڑھیں۔

یہ وہی وِرد ہے جو تسبیحِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نام سے معروف ہے۔ اس طرح آنحضرتؐ نے خادمہ کی بجائے فاطمہؑ کی خدمت میں ایک روحانی تحفہ پیش کیا۔ گویا اس طرح پیغمبر اکرمؐ نے ان سے فرمایا: صبر کرو، تمہارا صبر خدا کے لیے ہونا چاہیے۔

جب تک انسان خدا کی توجہات کے زیرِ سایہ ہو تو راہِ خدا میں صبر و تحمل شہد سے زیادہ شیریں ہو جایا کرتا ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۱۶۰

فاطمہؑ باوفا ترین شریکِ حیات

فاطمہ سلام اللہ علیہا دنیا کی باوفا ترین شریکِ حیات ہیں اور اس چیز کو ہم آپؑ کے اس جملے سے دریافت کرسکتے ہیں جسے آپؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں، احتضار کی حالت میں امیر المومنینؑ سے عرض کیا:

"هَلْ عَهِدْتَنِيْ خَائِنَةً اَوْ خَالَفْتُكَ مُنْذُ عَرَفْتُكَ؟"

"کیا آپ کو میری کوئی خیانت یاد ہے اور جب سے آپ کو پہچانا ہے کیا اس وقت سے میں نے آپ کی کوئی مخالفت کی ہے؟"

زہرا سلام اللہ علیہا، علی علیہ السلام کی چشم و ابرو سے ان کی منشاء سمجھ لیتی تھیں اور ان کے چہرے کے تاثرات ہی سے ان کی پسند و ناپسند اور ان کی سوچ سے واقف ہوجاتی تھیں۔ یہی فکری یکسانیت اور ہم خیالی تھی جس کی وجہ سے وہ دونوں ایک مثالی اسلامی گھرانے کی بنیاد رکھ سکے اور اسے اسلام کا گہوارہ بنا سکے۔ ایسے ہی والدین کے زیر سایہ حسن، حسین اور زینب علیہم السلام جیسے بچے پروان چڑھتے ہیں، وہ بچے جو چمکتے ستاروں کی مانند عالم اسلام پر اپنے نور کی بارش کرتے رہے اور اپنے ماں باپ کی مانند سخت ترین آزمائشوں، مصائب اور مشقوں کے باوجود اس نور افشانی کو کمال تک پہنچا کے رہے۔ واضح رہے کہ ان کے مصائب و آلام کی نوعیت انفرادی اور ذاتی نہ تھی بلکہ یہ ایسے دکھ تھے جو انہوں نے دعوت و تبلیغ کی خاطر اور اسلام کی حفاظت کی راہ میں اُٹھائے۔ اس بارے میں امام حسین علیہ السلام کا فرمانا تھا:

"هَوَّنَ عَلَيَّ مَا نَزَلَ بِيْ اَنَّهُ بِعَيْنِ اللهِ۔"[1]

"ہم پر پڑنے والے مصائب خدا کی خاطر اور اُس کی راہ میں ہیں اس لیے ان کا برداشت کرنا آسان ہے۔"

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۶

جبکہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا (بھائی کی مظلومانہ شہادت پر) اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

"اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا ھٰذَا الْقُرْبَانَ۔"[۱]

"خداوندا! ہماری طرف سے یہ قربانی قبول فرما۔"

یہ وہی روحانی فیضان اور مشکلات و آلام کے سامنے صبر و رضا کا درس ہے جو علی وفاطمہ علیہاالسلام کی طرف سے انہیں ملا ہے۔ ان بچوں نے دیکھا تھا کہ ان کے والدین پر کیسے ظلم روا رکھے گئے تھے اور انہوں نے رسالت کے راستے میں کس طرح ان تکلیفوں کو برداشت کیا تھا۔ اس بارے میں حضرت علیؑ فرماتے تھے۔

"لَأُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ أُمُوْرُ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهَا جَوْرٌ إِلَّا عَلَيَّ خَاصَّةً۔"[۲]

"میں اُس وقت تک حالات کا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک مسلمانوں کے معاملات ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے۔"

دوسرے ائمۂ اہل بیت علیہم السلام نے بھی مختلف مواقع پر طرح طرح کے مظالم برداشت کئے تا کہ مسلمان سکون و راحت کی زندگی بسر کریں۔

فاطمہ زہراؑ مصلح و رہنما

سیرت نگاروں کے بقول حضرت زہرا سلام اللہ علیہا جس طرح اپنے گھر کی سنگین ذمّے داریاں اُٹھائے ہوئے تھیں، اسی طرح آپؑ اپنے والدگرامی کے گھر کے اُمور نبٹاتی تھیں (کیونکہ پیغمبرؐ کا گھر بھی فاطمہؑ ہی کا گھر تھا) اور ان زحمتوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و

---

[۱] عوالم العلوم والمعارف، ج ۱۱، ص ۹۵۸

[۲] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۷۲

تربیت بھی آپؑ نے اپنے ذمّے لی ہوئی تھی۔ سیرت نویسوں کے مطابق فاطمہ علیہا السلام جو کچھ پیغمبرؐ سے سنتیں اسے لکھ لیتیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ ایک مرد حضرت فاطمہ علیہا السلام کی خدمت میں شرف یاب ہوا (اس روایت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مرد بھی جناب زہراؑ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور آپؑ ان کے سوالات توجّہ سے سنا کرتی تھیں) اور کہا:

"اے دخترِ رسولؐ! کیا پیغمبرؐ نے آپؑ کے پاس کوئی چیز چھوڑی ہے جس سے ہم بھی مستفید ہوسکیں؟"

آپؑ نے فضّہؓ کی طرف رُخ کیا اور فرمایا:

"حریر کا وہ پارچہ لے آؤ جس پر کچھ باتیں تحریر ہیں۔" فضّہؓ گئیں لیکن وہ کپڑا انہیں نہ ملا۔

حضرت زہراؑ نے کچھ ناراضی کے ساتھ فرمایا:

"کپڑے کا وہ ٹکڑا ضرور ملنا چاہیے کیونکہ وہ تحریر مجھے حسنؑ و حسینؑ کی مانند عزیز ہے۔ وہ تحریر پیغمبرؐ کی میراث ہے۔"

فضّہؓ دوبارہ گئیں اور کپڑے کا وہ ٹکڑا ڈھونڈ لائیں جو گھر کے ایک گوشہ میں رکھا ہوا تھا۔ اس تحریر میں (جسے ظاہراً حضرت زہراؑ نے پیغمبرؐ سے سن کر حریر کے اس ٹکڑے پر تحریر کیا تھا) پیغمبرؐ نے فرمایا تھا:

> "وہ شخص مومن نہیں جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو اور ایسا شخص جو خدا اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اپنے ہمسائے کو اذیت نہیں پہنچاتا اور ایسا شخص جو خدا اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے یا تو زبان سے کلماتِ خیر نکالتا ہے یا پھر خاموش رہتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم کو بھلائی کرنے والے، بُردبار اور پاک دامن انسان پسند ہیں اور بدی میں حد سے گزرنے والے، بدگمانی رکھنے والے، بدزبان اور جدال کرنے والے ناپسند۔

سچ ہے کہ حیاء ایمان (کا جز) ہے اور ایمان (کا نتیجہ) بہشت اور فحش اور ناسزا کہنا بدزبانی ہے اور بدزبانی (کا نتیجہ) جہنم ہے۔“

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ایسی بہت سی احادیث کو ہمارے لیے نقل کیا ہے۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا مجاہد خطیب

فاطمہ سلام اللہ علیہا تربیتی ،فکری اور تعلیمی میدانوں میں نمایاں مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک باصلاحیت اور مجاہد خطیب بھی تھیں۔ اُس حسّاس دور میں جبکہ حضرت علی علیہ السلام کا حق غصب ہوا، نیز فدک کے مسئلے میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے حق کو نظر انداز کیا گیا، اُس زمانے میں علی و فاطمہ سلام اللہ علیہا کا گھر مخصوص قسم کی مشکلات سے دوچار تھا۔ مؤرخین نے مختلف انداز سے اُس دور کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس خاص حالت میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے چند خاص موقف اختیار کیے اور اپنے شوہر کے حق کی بازیابی کے لیے جدوجہد کے مختلف طریقوں سے استفادہ کیا۔ آپؑ کبھی خطابت کے ذریعے، کبھی انفرادی گفتگو کے ذریعے، کبھی دلیل و برہان قائم کرکے اور کبھی خاص قدرت اور وسائل کے ساتھ دشمن کا سامنا کرتی ہیں۔ دلیل کا جواب دلیل سے دیتی ہیں اور اگر کہیں محسوس کرتی ہیں کہ نرمی اور عطوفت سے مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے تو اس سے استفادہ کرتی ہیں۔

ایک روز جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا مسجد میں خطبے کے لیے کھڑی ہوتی ہیں۔ ایک ایسا خطبہ ارشاد فرماتی ہیں جس کی نظیر تاریخ عرب میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ ہم ان سے پہلے کسی خاتون خطیب کے بارے میں نہیں جانتے کہ جس نے اس طرح عمدہ اور جاذب عناوین کے ذریعے اسلامی قوانین شریعت کے اسرار و رموز سے پردہ اُٹھایا ہو اور ان سے ہر عنوان کی ایک خاص تفسیر بیان کی ہو اور ان احکام کی حکمت کا ذکر کیا ہو۔

وہ لوگوں کو شریعت کے باطن سے آگاہ کرتی ہیں اور رہنمائی اور ہدایت کے فریضے سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتیں۔ وہ وراثت کے مسئلے میں واضح اور بھرپور استدلال

پر مبنی بیان کے ذریعے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ پھر اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے حق کے بارے میں اور اس اصول پر جس پر امیر المومنینؑ نے اپنے مبارزے کی بنیاد رکھی تھی، ان عورتوں کے سامنے گفتگو کرتی ہیں جو آپ کے گرد حلقہ کیے ہوئے تھیں۔

فاطمہ زہرا ؑ عورتوں کی سیاسی رہنما

جب مدینے کے لوگ عذر خواہی کے لیے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آپؑ انہیں سرزنش و ملامت کرتی ہیں اور آتشیں خطاب کے ذریعے انہیں ان کے کیے پر شرمندہ کرتی ہیں۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی طرح دوٹوک اور واضح الفاظ میں اپنے اور اپنے شوہر کے پامال شدہ حق کے بارے میں مسلمانوں سے گفتگو کرتی ہیں۔

آپؑ ایک مکمل سیاسی انسان تھیں، جو ایک مضبوط سیاسی عمل کے اسالیب سے مکمل طور پر واقف ہو۔ آپؑ تن تنہا اپنے زمانے کے بالا دستوں کے سامنے ڈٹ گئیں اور جن مواقع پر حضرت علی علیہ السلام مصلحتاً براہِ راست دخل نہ دیتے تھے ان موقعوں پر یہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں جو اپنے خطبوں کی قوت سے مخالفوں کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیتیں۔ آپؑ نے تنہا مسجد جا کے خطبہ دیا، تنہا میدان میں آئیں اور مسئلے کی وضاحت کی۔

آپؑ کے مبارزے کی ایک اور صورت رسالت مآبؐ کی رحلت پر غم واندوہ کا اظہار تھا۔ آپؑ نے اس روش کے ذریعے لوگوں میں ایک انقلاب اور تبدیلی کے موجبات واسباب پیدا کیے۔

جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا نے اِس عمل کے ذریعے مسلمان عورت کو مبارزے کا درس دیا اور اس بات پر مہر تصدیق ثبت کی کہ عورتیں بھی شرعاً سیاسی عمل میں حصہ لینے کی مجاز ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ آپؑ نے اپنے اس مبارزے کو اپنی وفات کے بعد اپنے دفن کی کیفیت کے ذریعے جاری رکھا، جب آپؑ نے وصیت کی کہ مجھے رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے اور جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے وہ میری تشییع جنازہ میں شریک نہ ہوں۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سرچشمۂ فضائل

آ یئے ایک مرتبہ پھر اپنے پہلے سوال کی جانب پلٹتے ہیں: کیا وجہ ہے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے یوم ولادت کو "یوم خواتین" کا نام دیا گیا؟

زہرا سلام اللہ علیہا عقلی نقطۂ نظر سے عورت کا اکمل واتم نمونہ ہیں۔ کیونکہ ان کی عقل، عقل رسولؐ کا ایک جز ہے، زہراؑ کی روح بھی کامل ترین روح ہے، کیونکہ آپؑ کی روح بھی روحِ رسولؐ کا ایک حصہ ہے۔ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے علم میں، اپنی فکری تحریک میں، اپنی (گھریلو) زندگی میں، اپنے ماں ہونے میں اور مختصر یہ کہ زندگی کے تمام اجتماعی پہلوؤں میں ایک عورت کا اکمل اور اتم نمونہ ہیں۔

اسلام عورت سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

یہ فاطمہؑ ہیں، دختر رسولؐ۔ دنیا کی عورتوں کی سردار، البتہ صرف نسبی نسبت کی وجہ سے نہیں بلکہ انسانی فضیلتوں کے اعتبار سے دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں۔ پس زہراؑ کا دامن تھام لو، ان کی طرف قدم بڑھاؤ، تاکہ ان سے سیکھ سکو کہ کس طرح ایک انسان تمام انسانوں سے محبت کرسکتا ہے؟ کس طرح اس کی عطا اور بخشش، تمام انسانیت کے لیے ہوسکتی ہے؟ کس طرح اس کی فکری ذمّے داری اور فکری فعالیت تمام لوگوں کو شامل کر لیتی ہے؟ یہ سیکھ لو کہ کس طرح ایک عورت ظالموں اور ستمگروں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتی ہے اور اس کی پیشانی پر بل بھی نہیں پڑتا۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا عورتوں سے کہتی ہیں:

"اے عورت تجھے انسان بننا چاہیے، عورت ہونے کی بنا پر تجھے مردوں کی تفریح طبع کا وسیلہ بن کر نہیں رہ جانا چاہیے کہ اپنی انسانیت سے گر جائے۔ اے عورت! تُو خدا پرست انسان بن جا، ایسا انسان جو معنوی، روحانی اور جذباتی اعتبار سے دوسرے انسانوں کو اپنا مجذوب بنا لے۔"

بنابرایں مرد اور عورت دو انسان ہیں جن پر اپنی اپنی خاص جسمانی ساخت کے مطابق معین کام اور مخصوص ذمّے داریاں عائد کی گئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک سورۂ توبہ کی آیت ۷۱ کے مطابق اپنے فریضے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ حق و عدل اور خیر (یعنی معروف) کی بنیاد پر قدم بڑھائیں اور جو چیز بھی زندگی میں انسان کے انحطاط اور زوال کا سبب ہے وہ منکر ہے لہٰذا وہ منکر سے روکتے ہیں۔

بنابرایں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت کے دن مومن مرد اور عورتوں کو چاہیے کہ معقول زندگی اور برتر آخرت کی سمت سفر کا عہد کریں، ایسی زندگی جس میں ہر وہ عمل انجام دیں جو خدا کو پسند ہو اور آخرت میں بھی خدا کی رضا حاصل کریں۔

رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَكْبَرُ۔[1]

"خدا کی رضا ہر شے سے برتر ہے۔"

(والحمدللہ ربّ العالمین)

❁❁❁❁

[1] سورۂ توبہ، آیت ۷۲

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اُسوۂ دین داری

یہ ایام طاہرہ، معصومہ، مجاہدہ، عابدہ، حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے روزِ ولادت سے نزدیک ایام ہیں۔ راویوں کے درمیان آپؑ کی تاریخِ ولادت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے خیال میں آپؑ کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل واقع ہوئی اور بعض کا کہنا ہے کہ آپؑ کی ولادت بعثت کے ایک سال بعد واقع ہوئی۔ لیکن شیعہ علما کے یہاں مشہور یہ ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بعثت کے پانچویں برس دنیا میں تشریف لائیں۔ آپؑ نے انتہائی کم عمر پائی، اور بعض روایات کے مطابق خدا نے آپؑ کو محض اٹھارہ برس کی عمر میں اپنے پاس بلا لیا۔

کم عمری اور عظیم ذمّے داری

لیکن آپؑ کی یہ کم عمر بھی اُن چیزوں سے معمور ہے جو انسان کے خداوندِ متعال سے تقرب کا باعث ہوتی ہیں اور انسان کو ذمّے داریوں کی راہ میں حرکت پر ابھارتی ہیں اور اسے اس بات پر اکساتی ہیں کہ وہ (اپنے کردار کے ذریعے) انسانیت کی اعلیٰ ترین اقدار (Values) کو مجسم کرے۔ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ایک ایسی انسان تھیں جن کی شخصیت میں طہارت و پاکیزگی رچی بسی تھی، آپؑ کی عقل حقیقت کی پرستار تھی اور آپؑ کا دل مہر و محبت کے

جذبات کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ہم آپؑ کی تاریخِ حیات میں مطالعہ کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب آپؑ کے والدِ گرامی رسولِ خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے کی حالت میں تھے، کہ اِسی اثنا میں قریش کے مشرکین نے آپؐ پراونٹ کی غلاظت پھینک دی۔ اِس موقع پر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا آگے بڑھیں اور اِس غلاظت کو اپنے والد کی پشت سے اٹھا کر دور پھینکا، حالانکہ ابھی آپؑ کی عمر محض پانچ برس تھی، اِس کے باوجود آپؑ مشرکین کے مقابل کھڑی ہوئیں اور انہیں ملامت کی۔

ماں کا عکس

جب بعثت کے دسویں سال، آپؑ کی والدۂ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام دنیا سے رخصت ہوئیں، تو اُس وقت آپ کی عمر پانچ برس تھی۔اِن حالات میں آپؑ نے اپنے والد کو بھرپور محبت فراہم کی اور اُن کے درد والم میں اُن کی ساتھی وغمگسار بن گئیں۔آپؑ مسلسل اپنے والد کا خیال رکھتیں۔بالخصوص (حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے اِس طرزِ عمل کی اہمیت اُس وقت اور نمایاں ہوجاتی ہے جب ہمارے پیشِ نظر یہ بات ہو کہ)رسولِ خداؐ اپنی پیدائش کے کچھ ہی عرصے بعد اپنی والدہ کے سایۂ رحمت سے محروم ہوگئے تھے، آنحضورؐ کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل ہی آپؐ کے والد وفات پا چکے تھے، فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنی محبت و چاہت کو اپنے والدِ گرامی کے لیے وقف کر دیا اور ایک ماں کی طرح اپنے والد کا خیال رکھا۔یہی امر اِس بات کا باعث بنا کہ روایت کے مطابق آپؑ کے والدِ گرامی رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ کے بارے میں کہتے تھے: وہ اُمِّ اَبِيهَا (اپنے باپ کی ماں) ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے پدرِ گرامی پر اپنی ایسی قلبی محبتیں نچھاور کی تھیں کہ آپؑ کے اِن مادرانہ جذبات و احساسات نے رسولِ خداؐ کو محبت و الفت کے جذبات کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔

اِسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ رسولِ خداؐ اور فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا باہمی تعلق انتہائی گہرے روابط پر مبنی تھا۔ یہ دونوں یک جاں دو قالب کے سے انداز میں جیے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا

کی عقل اپنے والد کی عقل، فاطمہ سلام اللہ علیہا کی روح اپنے والد کی روح، فاطمہ سلام اللہ علیہا کا قلب اپنے والد کا قلب تھا، اور رسولِ خداؐ پیغامِ رسالت کی تمام تعلیمات فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وجود میں مجسم دیکھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی ہم زہرا سلام اللہ علیہا کا ذکر کریں تو ہمیں چاہیے کہ اُن کی پاکیزہ اور عطر آگیں سیرت کا جائزہ لیں، اُس سے آشنا ہوں۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کی مشکل یہ ہے کہ وہ فقط حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے مصائب کی جانب متوجّہ ہوتے ہیں، اور اِسی بنا پر آپؑ کے صرف مصائب ہی بیان کیے جاتے ہیں اور آپ کے شکستہ پہلو کا ذکر کیا جاتا ہے............۔

فاطمۃ الزہرا علیہا السلام اہلِ سنّت کی احادیث میں

ہم، لوگوں سے چاہتے ہیں کہ وہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں اُن احادیث کا مطالعہ کریں جو شیعہ طریق کے علاوہ احادیث کی کتابوں میں درج ہوئی ہیں۔ اُمُّ المومنین حضرت عائشہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اُنہوں نے کہا:

> "میں نے کسی کو اندازِ گفتگو، عادات وصفات اور قرب میں فاطمہؑ سے زیادہ رسولِ خداؐ سے نزدیک نہیں پایا۔ جب فاطمہؑ تشریف لاتی تھیں، تو پیغمبرؐ اٹھ کر اُن کا استقبال کرتے تھے، اُن کا بوسہ لیتے اور اُن کی تواضع کیا کرتے تھے، اور جب رسول اللہؐ ان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے، تو فاطمہؑ پیغمبرؐ کے ساتھ یہی کرتی تھیں۔"

ابن داؤد نے اہلِ سنّت راویوں سے روایت کی ہے:

> "جب پیغمبرؐ فاطمہؑ کے یہاں تشریف لے جاتے، تو فاطمہؑ اُٹھ کر آپ کا ہاتھ تھامتیں، اُس کا بوسہ لیتیں اور آنحضرتؐ کو اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔"

اُمُّ المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

> "دخترِ رسولؐ فاطمہ زہراؑ شکل وصورت میں رسولِ خداؐ سے سب سے زیادہ

مشابہ تھیں۔"

یہی صفت وراثت میں امام حسن علیہ السلام کو بھی حاصل ہوئی، وہ اپنے نانا رسولِ مقبولؐ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے فرزند علی اکبر علیہ السلام نے بھی وراثت میں یہ خصوصیت پائی تھی۔

صحیح مسلم میں پیغمبر اسلامؐ سے نقل کیا گیا ہے:

"بے شک میری دختر میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس کسی نے اس پر شک کیا اس نے مجھ پر شک کیا، اور جس نے اسے آزردہ کیا اس نے مجھے رنجیدہ کیا۔"

جب کبھی رسولِ خداؐ کسی سفر یا جنگ سے واپس تشریف لاتے، تو سب سے پہلے مسجد جاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے، اس کے بعد فاطمہؑ کے یہاں تشریف لے جاتے اور پھر اپنی ازواج کے پاس جاتے۔

عبداللہ ابن عمر نے روایت کی ہے:

"جب پیغمبرؐ سفر کے لیے روانہ ہوتے، تو سب سے آخر میں فاطمہ علیہا السلام سے وداع ہوتے، اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے فاطمہ علیہا السلام سے ملتے۔"

حضرت عائشہ نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے: "ایک مرتبہ رسول اللہؐ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ان کے درمیان تشریف فرما تھے، تو میں نے اُن سے پوچھا: "ہم میں سے کون آپ کو زیادہ پیارا ہے، میں یا وہ؟"

پیغمبرؐ نے فرمایا: "وہ (فاطمہؑ) مجھے سب سے زیادہ پیاری ہیں اور تم میرے لیے سب سے زیادہ محترم ہو۔"

اِس روایت کی تفسیر یہ ہے کہ فاطمہؑ مہربانی اور شفقت کے اعتبار سے میری محبوب ترین ہیں اور علیؑ اپنے فضل و منزلت کی وجہ سے میری نظر میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔

"الاستیعاب" جو اہلِ سنّت کی ایک کتاب ہے، اس میں درج ہے کہ حضرت عائشہ سے سوال کیا گیا: "رسولِ خداؐ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب فرد کون تھا؟"

انہوں نے کہا: "فاطمہ علیہا السلام"

سوال کیا گیا مردوں میں؟، کہا: "اُن کے شوہر (علیؑ) جنہیں میں نے ہمیشہ روزے یا نماز کی حالت میں پایا ہے۔"

حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے: "میں نے کسی کو لہجے میں فاطمہؑ سے زیادہ سچا نہیں دیکھا، اُن کے فرزند کے سوا۔"

فاطمۃ الزہراؑ کی عصمت

رہی بات اُس آیت کی جو حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی عصمت پر دلالت کرتی ہے، تو اُس کے بارے میں اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کہتی ہیں:

"اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا"[1]

میرے گھر میں نازل ہوئی، پیغمبرؐ نے کسی کو فاطمہ، علی، حسن اور حسین علیہم السلام کی طرف روانہ کیا اور فرمایا: یہ ہیں میرے اہلِ بیت۔"

ایک اور روایت میں اُنہی سے نقل کیا گیا ہے: "وہ حضرات گھر میں تھے، رسولِ خداؐ نے ان سب کو اپنے کاندھے پر پڑی ہوئی عبا کے زیرِ سایہ لے لیا (اِسی بنا پر اِس حدیث کو حدیثِ کساء کہا جاتا ہے) اور فرمایا: "اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ پس ان سے ناپاکی کو دور کر دے اور انہیں پاک و پاکیزہ بنا دے۔"

آنحضرتؐ نے تین مرتبہ یہ عبارت دوہرائی۔ میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۳۳

رسولؐ! کیا میں بھی اِن میں شامل ہوں؟"

فرمایا: "تم راہِ خیر پر ہو۔" (لیکن ان کے ساتھ شامل نہیں ہو)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس سے مراد صرف یہی پانچ معصوم ہستیاں ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لفظ اہلِ بیت کو اِنہی کے لیے مخصوص قرار دیا ہے۔ لہٰذا جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے جاتے، تو پہلے فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر جاتے اور فرماتے: اے اہلِ بیت تم پر سلام ہو اور پھر اِس کے بعد اِس آیت کی تلاوت فرماتے۔

علیؑ زہراؑ کے ہمسر

زہرا سلام اللہ علیہا نبوت و امامت کا اتصال ہیں، کیونکہ آپؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی، سب سے پہلے امامؑ کی زوجہ اور بقیہ ائمہؑ کی ماں ہیں۔ لہٰذا وہ نبوت اور امامت سے وابستہ ہیں۔ بہت سے لوگ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے شادی کی خواہش لے کر رسول اللہؐ کے پاس آئے، لیکن ان سب کے جواب میں پیغمبرؐ نے فرمایا:

"اِس سلسلے میں، میں خدا کے حکم کا منتظر ہوں۔"

پیغمبر گرامیؐ سے روایت کی گئی ہے:

"اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی ہم پلہ نہ ہوتا۔"

اِن دونوں کے ہم پلہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی پیغمبرؐ کے شاگرد تھے۔ پس جس طرح آپؐ نے علی علیہ السلام کو تعلیم دی، اُن پر اثر انداز ہوئے، اُن کی فکر کی تربیت کی اور اُن کی عصمت کا سرچشمہ رسولِ کریمؐ کی تربیت ہی تھی، اسی طرح فاطمہ علیہا السلام بھی تھیں۔ لہٰذا علی علیہ السلام کے سوا کوئی بھی علم و دانش، معنویت و روحانیت اور خدا سے نزدیک کرنے والی ارفع و اعلیٰ خصوصیات میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔

زہراؑ اور مریمؑ مشترک اور مختلف نکات

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے:

"فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔"

اور ایک دوسری روایت میں آپؐ ہی سے نقل کیا گیا ہے:

"فاطمہؑ دنیا بھر کی عورتوں کی سردار ہیں۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"وہ باایمان عورتوں کی سردار ہیں۔"

درست بات یہ ہے کہ مریمؑ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں۔ خدا نے انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادر بننے کے لیے منتخب کیا۔ جب ہم مریم اور زہرا علیہا السلام کے درمیان موازنہ کرتے ہیں، تو ہمیں ان دونوں کے درمیان مشترک نکات ملتے ہیں، ان دونوں ہی نے بہترین انداز سے خدا کی عبادت کی۔ لیکن ہمیں اس کے سوا حضرت مریمؑ کی کوئی اور سرگرمی نظر نہیں آتی۔ لیکن جب حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی سرگرمیوں پر نظر ڈالتے ہیں، تو نظر آتا ہے کہ آپؑ دینی اور مکتبی سرگرمیوں میں مشغول رہیں۔ آپؑ انصار اور مہاجر خواتین کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔ آپؑ وہ مجاہدہ تھیں جو امامت کے دفاع کے لیے مسلمانوں اور حق کے مخالفین کے مقابل اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس اعتبار سے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا، حضرت مریمؑ کے مقابلے میں خاص امتیاز کی مالک ہیں۔ یہ دونوں ہی خدا کے قریب ہیں، لیکن فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جہاد کیا، باطل کا مقابلہ کیا، حق کا دفاع کیا، جبکہ حضرت مریمؑ نے صرف اپنے بیٹے کی نگہداشت کی اور اپنی قوم کے سامنے اپنی پاک دامنی کا دفاع کیا۔

عبادت اور تقویٰ

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی عبادت کے بارے میں اُن کے فرزند امام حسن

علیہ السلام فرماتے ہیں:

”میں نے دیکھا کہ میری والدۂ گرامی رات بھر محرابِ عبادت میں عبادتِ ربّ میں مشغول رہیں، پوری رات مسلسل رکوع و سجود میں بسر کی، یہاں تک کہ صبح آ پہنچی، میں نے سنا کہ آپؑ نام لے لے کر مومنین کے لیے دعا فرما رہی ہیں، البتہ میں نے آپؑ کو خود اپنے لیے دعا کرتے نہیں سنا۔ میں نے آپؑ سے عرض کیا: ”امّاں! آپ نے دوسروں کی طرح خود اپنے لیے کیوں دعا نہیں کی۔“

آپؑ نے فرمایا: ”بیٹا! پہلے ہمسائے بعد میں اپنا گھر۔“

جہادِ زہرا علیہا السلام

وہ زہرا سلام اللہ علیہا جن کی بعض خطیب حضرات ایک نحیف اور کمزور خاتون کی حیثیت سے تصویر کشی کرتے ہیں، انتہائی قوت وقدرت کی مالک تھیں۔ اُنھوں نے یہ قوت اور جرأت اپنے والد سے ورثے میں حاصل کی تھی، آپؑ کے وہی والدِ گرامی جن کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: ”جب کبھی ہم پر مشکلات کی یلغار ہوتی تھی تو ہم رسولِ خداؐ کی آغوش میں پناہ لیتے تھے۔“

ہم حضرت زہر سلام اللہ علیہا کی قدرت کا مشاہدہ اُس موقع پر کر سکتے ہیں جب وہ حوادث رونما ہوئے اور آپؑ نے مسجد میں کھڑے ہو کر اُن لوگوں سے خطاب کیا اور کہا:

”جان لو کہ میں فاطمہ بنتِ رسولؐ ہوں۔“

آپؑ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور وہ خلیفہ جس نے اُنھیں اُن کی میراث فدک سے محروم کر دیا تھا، اُس کے سامنے کھڑی ہوئیں۔ آپؑ کا خطبہ ایک زبردست خطبہ ہے۔ کیونکہ اُس میں آپؑ نے فلسفۂ احکام اور اپنے مبارزے کے مقاصد بیان کیے ہیں۔ اِس خطبے میں بی بی نے اُن لوگوں پر اتمامِ حجت کیا جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کو اُن کے حقِ خلافت سے محروم کیا تھا۔

سراپا احتجاج

جب آپؑ کی بیماری کے دنوں میں مہاجر اور انصار خواتین آپؑ کی عیادت کے لیے آئیں، تو آپؑ نے اُن سے (ان کی اور ان کے مردوں کی بے حسی پر) شدید ناراضی کا اظہار کیا۔ جب شیخین نے حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپؑ زہرا سلام اللہ علیہا سے کہیں کہ وہ اُنہیں عیادت کی اجازت دیں، تاکہ وہ آپؑ کو منا سکیں، تو آپؑ نے پہلے تو انتہائی سختی کے ساتھ اُن کی یہ خواہش مسترد کر دی، لیکن حضرت علی علیہ السلام کے احترام میں اُن کی خواہش قبول کی، اور جب وہ دونوں حضرات آپؑ کی خدمت میں پہنچے، تو آپؑ نے اُن سے پوچھا: "کیا آپ نے میرے بابا کو یہ فرماتے سنا تھا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا، جس نے اُسے اذیت پہنچائی اُس نے مجھے آزردہ کیا؟"

اُن حضرات نے کہا: "جی ہاں، ہم نے سنا تھا۔"

اِس پر حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: "میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں تم سے ناراض ہوں۔"

ہم اپنے موقف میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زبردست شدت کا مشاہدہ اُس وقت کرتے ہیں جب آپؑ وصیت کرتی ہیں کہ مجھے رات کے وقت دفن کیا جائے اور جن لوگوں نے علی علیہ السلام کو اُن کے حق سے محروم کر کے اسے غصب کیا ہے، وہ میرے جنازے میں شامل نہ ہوں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اس سے اپنے موقف میں آپؑ کی شدت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس طرح آپؑ اپنی وفات کے بعد بھی اُن لوگوں سے اپنی ناراضی اور غیظ وغضب کا اظہار کرنا چاہتی تھیں۔

فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، ہماری سیّد و سردار، پاکیزہ، عابدہ، عالمہ اور صاحبِ عصمت تھیں، وہ مضبوط قوتِ ارادی کی مالک تھیں لہٰذا عورتوں اور مردوں کو اُن میں موجود تمام معنوی و انسانی اقدار کی پیروی کرنی چاہیے۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے امتِ اسلامیہ کے لیے اپنی بیٹی

زینبِ کبریٰ علیہاالسلام کو یادگار کے طور پر چھوڑا، جنہوں نے کوفہ اور شام میں طاغوتوں کے خلاف مضبوط ترین موقف کا اظہار کیا اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اپنے کاندھوں پر ذمّے داری کا بارِ گراں اٹھایا اور صبر اور جہاد کے ذریعے اس ذمّے داری کو پورا کیا۔

ہمارا سلام ہو حضرت فاطمۃ زہرا سلام اللہ علیہا پر جس دن آپؑ دنیا میں تشریف لائیں، جس دن جوارِ پروردگار کے لیے روانہ ہوئیں اور اُس روز جب آپؑ دوبارہ اٹھائی جائیں گی۔ ہم خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ اُن کی، اُن کے والد کی، اُن کے شوہر کی اور اُن کے فرزندوں کی شفاعت ہمارا مقدر قرار دے، کہ وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔

رازِ طہارت

ہم جب بھی انہیں یاد کرتے ہیں، خواہ ان کی ولادت اور ان کے دنیا میں آنکھیں کھولنے کے دن کی مناسبت سے ان کے بارے میں گفتگو ہو، خواہ ان کی وفات اور رسول کریمؐ کی رحلت کے بعد ایک انتہائی مختصر عرصے میں ان کی خدا سے ملاقات کے لیے روانگی کی مناسبت سے ان کا ذکر ہو۔ بی بی نے ایام جوانی بھی پورے نہ کیے تھے، راہِ حیات کے عین درمیان آپ اس دنیا سے کُوچ فرما گئی تھیں۔

ہم جب بھی ان کا ذکر کرتے ہیں، انہیں ایک ایسا انسان پاتے ہیں جو اپنی روح، فکر، علم و دانش اور زہد و عبادت میں ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اپنے مشن پر گامزن ہو۔

ہم انہیں صدیقۂ طاہرہ کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ آپ اس لفظ میں موجود تمام معنی میں طہارت، عصمت اور حقانیت کی مالک تھیں۔

آپؑ وہ ہستی ہیں جنھوں نے اپنے بچپنے ہی سے شدید ترین مشکلات کا سامنا کیا اور ان کی یہ دشوار زندگی گھریلو اور معاشرتی زندگی میں ان کے کاندھوں کو جھکا دینے والے سنگین بوجھ کے ہمراہ اُس زمانے میں بھی جاری رہی جبکہ علی علیہ السلام ان کے ہمسر تھے۔

اپنے والد گرامی کا فراق، ایک اور رنج تھا جس نے انہیں آزردہ کیا۔ وہ والد گرامی

جو خود عقل و روح اور پیغمبرانہ زندگی کے آئینہ دار تھے۔ یہ دونوں ہستیاں انسانیت کے لیے درد مندی اور الٰہی مشن سے وابستگی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے پیوستہ تھیں۔ یہی وابستگی اور پیوستگی تھی جس کی بنا پر فاطمہ زہراؑ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد انتہائی ممکنہ صورت میں امامت کے دفاع کی کوشش کی اور اس قضیے میں بھی بہت سے رنج و غم، مصائب و مشکلات کا سامنا کیا۔

آپؑ کی زندگی کے بارے میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپؑ حتیٰ کہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنی ذات کے لیے زندہ نہ رہیں، بلکہ آپؑ نے اپنی پوری زندگی اپنے پدرِ بزرگوار پیغمبر اسلام آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شوہر نامدار امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام اور اپنے فرزندوں حسن و حسین علیہما السلام (جو چاہے قعود کی حالت میں ہوں چاہے قیام کریں دونوں صورتوں میں مسلمانوں کے امام ہیں) کی خدمت کے لیے وقف رکھی۔

آپؑ نے ان ہستیوں کی خدمت صرف اس لیے نہیں کی تھی کہ یہ آپ کے اقربا اور رشتے دار تھے بلکہ اس کا سبب وہ احساس ذمّے داری تھا جسے آپؑ اپنے کاندھوں پر محسوس کرتی تھیں۔ ذمّے داری کا یہ احساس ہمیشہ اور ہر جگہ آپؑ کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ آپؑ کا یہ احساسِ ذمّے داری تمام مسلمانوں کو اپنے سائے میں ڈھانپ لیتا ہے۔ وہ اس احساسِ ذمّے داری کی بنیاد پر اپنے دُکھوں، غموں اور مسائل و مشکلات کے بارے میں سوچنے سے پہلے دوسروں کے درد و غم، مسائل و مشکلات کی فکر کرتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ جس طرح نسبی تعلق کے لحاظ سے دخترِ رسولؐ ہیں، رسالت کے لحاظ سے بھی ان کی دختر ہیں۔ پس ان کے بارے میں رسول اللہؐ کے فرامین (جنہیں مسلمانوں کے دونوں بڑے مکاتب کے علماء و محققین نے اپنی کتب میں تحریر کیا ہے) کی روشنی میں ان کی شخصیت کا مطالعہ کریں، وہ رسولؐ جنہوں نے انہیں اپنی ماں کہہ کر پکارا۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں شاید بہترین شعر، امیر الشعراء احمد شوقی کا یہ

شعر ہے:

مَا تَمَنّٰی غَیْرَھَا نَسْلًا وَ مَنْ یَلِدِ الزَّھْرَاءَ یَزْھَدْ فِیْ سِوَا ھَا

"پیغمبرؐ نے زہراؑ کے سوا کسی نسل کی تمنا نہ کی کیونکہ جس کے پاس زہراؑ ہو اُسے کسی دوسرے سے رغبت نہیں رہتی۔"

عزیزو! حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کی یاد منانے کے سلسلے میں ہمارے اہتمام کی وجہ یہی ہے۔ جب ہم اُن کا ذکر کرتے ہیں تو رسالت اور اپنے مشن سے وابستگی کا ذکر ہوتا ہے۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے کس انداز سے اپنا مشن جاری رکھا اور کس طرح اپنی ذمّے داری ادا کی، اسے دیکھ کر ہم ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کے بدلتے اور ہر دم تغیر پذیر اُمور میں اسلامی تحریک کے دستورِ عمل کا ذکر کرتے ہیں، وہ تحریک جس میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا ایک زندہ اور فعال عنصر کی حیثیت سے شامل رہیں۔ ہم ان تمام اُمور میں اُن کی یاد کو زندہ رکھتے ہیں۔

تاریخ بشریت بکثرت ایسے انسانوں کے ذکر سے بھری ہوئی ہے جو اپنی موت کے بعد ختم ہوگئے۔ کیونکہ ان کی زندگی خود ان کی ذات تک محدود اور مختصر تھی۔ نیز تاریخ ایسے انسانوں کے ذکر سے بھی معمور ہے جن کی حیات ان کے مشن اور پیغام کے دوام کی بنا پر جاوداں رہی ہے۔ جب تک ان کا پیغام باقی ہے، اس وقت تک انہیں بھی بقا رہے گی۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ایسے ہی ثانی الذکر انسانوں میں سے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ کا تذکرہ، فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ذکر کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کا تذکرہ ہو اور اس میں فاطمہ سلام اللہ علیہا شامل نہ ہوں، ہو نہیں سکتا۔ یہی حال حسن و حسین اور زینب علیہم السلام کے تذکروں کا ہے، کہ ان کے دوران بھی ان کی مادرِ گرامی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ذکر لازم ہے، جو ان کی طہارت کا راز ہیں۔

لہٰذا ہم سب کو دعوت دیتے ہیں کہ آیئے یہ کوشش کریں کہ زہرا سلام اللہ علیہا نہ صرف

ہمارے آنسوؤں میں، بلکہ ہماری فکر اور رُوح میں ایک پیغام اور ایک طرزِ فکر کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہوجائیں۔ کیونکہ ہم صرف اپنے اشکوں کے ذریعے اُن کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے، اُن کی راہ پر نہیں چل سکتے اور اُن کی اقدار کو زندہ نہیں کر سکتے، بلکہ بڑا کام یہ ہوگا کہ ہم اپنی نظریں اُن کے پیغام اور اس ذمّے داری پر مرکوز رکھیں جسے وہ محسوس کرتی تھیں۔ اُن کے اشک اپنے مشن، پیغام اور ذمّے داری کے لیے بہے، حتیٰ کہ ایک لمحے کے لیے بھی وہ اپنی ذات کے لیے زندہ نہ رہیں۔ یہی اہل بیتؑ کی جاودانی کا سبب ہے، وہ صرف اسلام کے لیے جئے۔ لہٰذا ہمیں ان کی یاد مناتے ہوئے احیائے اسلام کا مقصد پیش نظر رکھنا چاہیے۔

زہراؑ، کلامِ پیغمبرؐ میں

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شخصیت کا پیغمبر اسلامؐ کے فرامین کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے ہم سب سے پہلے ایک ایسی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں جسے "بخاری" نے اپنی صحیح میں رسول خداؐ سے نقل کیا ہے۔ اُس حدیث میں ہے:

"فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَغْضَبَهَا فَقَدْ أَغْضَبَنِي"

"فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس کسی نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔" [۱]

اس کے بعد ایک اور حدیث دیکھتے ہیں، جسے "مسلم" نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

"إِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يُؤْذِينِي مَا آذَاهَا" [۲]

"بے شک فاطمہؑ میرا پارۂ تن ہے، جس کسی نے اسے اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔"

---

[۱] صحیح بخاری، ج ۵، حدیث ۳۷۶۷

[۲] صحیح مسلم، ج ۴، کتاب فضائل الصحابہ

مسلم ہی رسول اللہؐ سے ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں:

"اِنَّمَا ابْنَتِیْ فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ، یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا وَ یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا".[۱]

"بے شک میری بیٹی فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو چیز اس کی دل آزاری کا سبب ہوتی ہے وہ مجھے تکلیف پہنچاتی ہے اور جو چیز اسے آزردہ کرتی ہے وہ میری آزردگی کا باعث ہوتی ہے۔"

اگر ہم اس حدیث کا مفہوم جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح سمجھنا ہوگا جس طرح خدا نے ان کا تعارف کرایا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ اپنی خواہش سے سخن نہیں فرماتے:

"وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی، اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔"[۲]

"اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا ہے۔ وہ وہی کہتا ہے جو وحی اس پر نازل ہوتی ہے۔"

کبھی تو خداوندِ عالم کی طرف سے وحی آیات قرآنی کی صورت میں نازل ہوتی تھی اور کبھی پیغمبر اسلامؐ کی عقل کے قالب میں جسے خداوندِ عالم نے حقیقت پر استوار کیا ہے اور کبھی قرآنِ کریم کے پیش کیے ہوئے دستورِ عمل کی تکمیل کرنے والی سنّت کی شکل میں۔ پیغمبر اسلامؐ وہ سچے فرستادۂ الٰہی ہیں جو کسی غیر واقعی چیز کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے:

"وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ﴿۴۶﴾"[۳]

"اور اگر یہ پیغمبرؐ ہماری طرف سے کوئی بات گڑھ لیتا، تو ہم اس کے ہاتھ کو

---

[۱] صحیح مسلم، ج ۴، کتاب فضائل الصحابہ

[۲] سورۂ نجم ۵۳۔ آیات ۳، ۴

[۳] سورۂ حاقہ ۶۹۔ آیات ۴۴ تا ۴۶

پکڑ لیتے اور پھر اس کی شہ رگ کو کاٹ ڈالتے۔"

لہٰذا پیغمبر اسلامؐ نے کبھی اپنے ذاتی جذبات و احساسات سے مغلوب ہو کر کلام نہیں فرمایا، جن کی بنا پر کسی کو (خوامخواہ) بڑھا چڑھا کر پیش کریں۔ بلکہ آپؐ رسالت کے نقطۂ نظر سے افراد کی قدر و قیمت کے قائل تھے۔ پیغمبرؐ بشر ہیں اور دوسرے انسانوں ہی کی مانند اپنی بیٹی کو آغوش میں لیتے ہیں اور اس پر اپنی محبت نچھاور کرتے ہیں، لیکن جب کسی کو کوئی عنوان یا حیثیت بخشنا چاہتے ہیں تو رسالت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، کیونکہ اس سلسلے میں ان پر وحی ہوتی ہے۔

پس جب آپؐ فرماتے ہیں کہ "فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔" تو اس کے کیا معنی ہیں؟

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپؑ، رسول خداؐ سے عضوی رابطہ رکھتی ہیں، بالکل اسی طرح جیسے ان کے بدن کا ایک زندہ جزء ہوں۔ جب کوئی شخص رسول اللہؐ کے وجود کا حصہ ہو جائے تو طبعاً اُس کی عقل بھی پیغمبرؐ کی عقل کا ایک ٹکڑا ہو گی اور اُس کی رُوح بھی پیغمبرؐ کی رُوح کا ایک گوشہ ہو گی اور اُس کی حیات بھی رسول اللہؐ کی حیات کا ایک جزءء ہو گی اور اُس کی پاکیزگی، صفا، معنویت، صدق اور امانت داری بھی رسول اللہؐ کی ان صفات کا ایک حصہ ہو گی۔

اگر پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ "جس کسی نے اسے اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی۔" تو یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ رسالتِ الٰہی کے حامل حضرات اپنے بچوں کے بارے میں لوگوں کے جائز غصے پر جذبات سے مغلوب نہیں ہوتے۔ کیونکہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ اگر ایک صالح باپ یہ دیکھے گا کہ لوگ اس کے بچے پر اس کے کسی بُرے کام کی بنا پر یا اس کے کسی گناہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے غصہ کر رہے ہیں تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ جس کسی نے میرے فرزند کو اذیت پہنچائی ہے اُس نے مجھے اذیت دی ہے۔

لہٰذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے معنی یہ ہیں کہ "یہ ممکن ہی نہیں کہ فاطمہ

زہرا سلام اللہ علیہا کسی کے ساتھ (معاذ اللہ) کوئی برائی کریں یا گفتار اور عمل میں ناشائستگی کی مرتکب ہوں، جس کی بنا پر لوگوں کو انہیں اذیت و آزار پہنچانے اور ان سے رنجیدہ ہونے کا حق مل جائے۔"

فاطمہ سلام اللہ علیہا ایسی ہستی ہیں کہ کوئی ان سے سرزد ہونے والی کسی خطا (کہ حضرت فاطمہؑ ہر خطا سے منزّہ ہیں) کو بہانے بنا کر ان پر غضب ناک نہیں ہوسکتا۔ حضرت ختمی مرتبتؐ کے کلام کے معنی یہ ہیں کہ فاطمہؑ ایک ایسی انسان ہیں جو کسی بُرے عمل کی مرتکب نہیں ہوتیں، ایک ایسی انسان ہیں جو گناہ نہیں کرتیں، گمراہ نہیں ہوتیں۔ لہٰذا جس کسی نے بھی ان سے عداوت کی، اس نے حق سے عداوت کی ہے اور خدا کی صراطِ مستقیم کا دشمن ہوا ہے۔

ہم رسول مقبولؐ کے کلام "مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ وَيُؤْذِيْنِیْ مَا اٰذَاهَا۔" سے یہ مراد لیتے ہیں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا صرف اُسی وقت آزردہ ہوتی ہیں جب خدا کی نافرمانی ہو، اور صرف اُسی وقت رنجیدہ ہوتی ہیں جب لوگ خدا سے منھ موڑتے ہیں۔ اگر اُن کی آزردگی کی وجہ اللہ اور اُس کی رسولؐ کی نافرمانی نہ ہوتی تو کیوں کر ممکن تھا کہ پیغمبرؐ اُن کی آزردگی پر آزردہ ہوتے؟

رسول کریمؐ سے سب سے زیادہ مشابہ

اب ہم ایک اور غیر شیعی کتاب "استیعاب" پر نظر ڈالتے ہیں تاکہ یہ بات واضح کردیں کہ یہ باتیں غیر متنازع ہیں۔ کیونکہ بعض لوگ شیعوں پر تہمت لگاتے ہیں کہ وہ جذبات واحساسات سے مغلوب ہوکر گفتگو کرتے ہیں۔

"ابن عبدالبر" نے کتاب "استیعاب" میں سند کے ذکر کے ساتھ لکھا ہے کہ اُمُّ المومنین عائشہ نے کہا:

"مَارَاَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ كَلَامًا وَسَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا بِرَسُوْلِ

اللّٰهِ مِنْ فَاطِمَةَ وَكَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَتْ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهَا وَاَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا۔"

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو کلام، سراپے، اخلاق اور نیک سیرتی میں فاطمہؑ کی مانند رسول کریمؐ کے مشابہ ہو۔ جب کبھی فاطمہؑ، رسولؐ کے یہاں آتیں تو پیغمبرؐ اپنی جگہ سے کھڑے ہوجاتے اور ان کا ہاتھ تھام کر اس کا بوسہ لیتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب کبھی پیغمبرؐ فاطمہؑ کے یہاں تشریف لے جاتے تو فاطمہؑ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوتیں، آنحضرتؐ کا دستِ مبارک تھام کر اسے بوسہ دیتیں اور اُنھیں اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔"

جب ہم کتاب "استیعاب" میں یا "سنن ابی داوٗد" میں حضرت عائشہ سے نقل ہونے والے اس واضح اور صریح کلام کا مطالعہ کرتے ہیں، تو کیا بات ہمارے علم میں آتی ہے؟

یہ کلام، رسول مقبولؐ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے درمیان گہرے رُوحانی تعلق کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیونکہ رسول گرامیؐ کسی اور کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے تھے اور فاطمہؑ بھی کسی اور کے ساتھ یہ طرزِ عمل نہیں اپناتی تھیں اور یہ باہمی طرزِ عمل صرف پیغمبرؐ اور اُن کی پیاری بیٹی کے مابین نظر آتا ہے۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت رسول مقبولؐ کے درمیان اس تعلق کا آغاز حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بچپنے ہی سے ہو چکا تھا، ہر چند ہمیں کتب سیرت میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے بچپنے اور ان کی مادر مہربان حضرت خدیجہ علیہا السلام کی حیات میں آپ کے اور آپ کے والد گرامی کے درمیان اس تعلق کا کوئی خاص سراغ نہیں ملا، لیکن حضرت خدیجہؑ اور پیغمبر اسلامؐ کے محبوب چچا حضرت ابو طالب علیہ السلام (جو قریش کے حملوں سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ رکھا کرتے تھے) کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل تنہا

رہ گئے تھے، اُس زمانے کے تذکرے پر مشتمل کتبِ سیرت سے ہمیں اس تعلق کا کچھ پتا چلتا ہے۔

اُمِّ اَبِیۡھَا (اپنے باپ کی ماں)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل تنہا رہ گئے تھے، آپ کو تنہائی کا ایک اور تجربہ بھی تھا، آپؐ اپنی شیرخوارگی کے زمانے ہی میں اپنی والدہ کے سائے سے محروم ہوگئے تھے۔ باوجود یہ کہ پیغمبرؐ کا دل عشقِ خدا سے سرشار ہے۔ لیکن آپؐ انسان بھی ہیں اور انسان محبت، خلوص اور چاہت کا محتاج ہوتا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہر و محبت کا محتاج ہونا، ان کی شخصیت کا کوئی نقص نہیں اور ان کی خود اعتمادی اور خدا پر ان کے بھروسے کو کمزور نہیں کرتا۔ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ پیغمبرؐ ہماری ہی مانند بھوک محسوس کرتے ہیں، ہماری ہی طرح انہیں پیاس محسوس ہوتی ہے۔ ہمیں جس وقت محبت کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے اندر محبت کی پیاس محسوس کرتے ہیں اور جامِ محبت سے سیرابی چاہتے ہیں، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے جب ہم بھوکے ہوتے ہیں تو ہمیں بھوک مٹانے کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ پیغمبرؐ بھی دستِ شفقت اور مہربان آغوش چاہتے ہیں۔ زہرا سلام اللہ علیہا انتہائی خلوص کے ساتھ اپنے قلب میں موجزن مہربانی اور محبت کا سایہ اپنے والد کی زندگی پر پھیلا دیتی ہیں اور اپنے مشن اور ذمّے داریوں کی ادائیگی کے دوران پیغمبر اسلامؐ کو جو زخم لگتے ہیں، زہراؑ اُن کا مرہم بن جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا ان کی مادرِ گرامی دوبارہ زندہ ہوگئی ہیں۔ لہٰذا آپؐ اپنی بیٹی کو "اُمِّ اَبِیۡھَا" کے لقب سے نوازتے ہیں۔

جب ہم حضرتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے "اُمِّ اَبِیۡھَا" ہونے پر گفتگو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا دل و جاں کی گہرائی کے ساتھ اپنے والد کا خیال رکھتی تھیں، تو بعض لوگ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم حضرت رسولِ گرامیؐ کی شخصیت کے (معاذ اللہ) کسی

کمزور نکتے پر گفتگو کررہے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو ہر بات کے اس کی بدترین ممکنہ صورت میں معنیٰ کرتے ہیں، ہماری اس بات کو پیغمبرؐ کے مقام عصمت وکمال کے منافی سمجھتے ہیں۔

ان حضرات کے جواب میں عرض ہے کہ کیا آنحضرتؐ کا بھوکا رہنا اور (شعب ابی طالبؑ میں) اپنے پیٹ پر پتھر باندھنا ان کے مقامِ عصمت کے منافی ہے؟ جذباتی نیاز یا بے نیازی اور محبت کا پیاسہ ہونا اور اس سے سیراب ہونا بھی اسی طرح ہے۔ بعض لوگ خداوند عالم کی طرف سے تائید شدہ ان مفاہیم کو درک نہیں کرتے جو انسانوں کے لیے پیغمبر اکرمؐ کے شدید حزن و ملال اور ان کے لیے آپ کے کڑھنے کی خبر دیتے ہیں۔ خداوند عالم نے ہمیں پیغمبر اسلامؐ کے انتہائی دردمندانہ احساسات سے آگاہ کیا ہے جن کا سرچشمہ مکمل طور پر آپؐ کی انسانیت میں پنہاں ہے۔

اُمُّ اَبِیْهَا کا لقب پیغمبر اسلامؐ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے درمیان پائے جانے والے اُس گہرے تعلق کی تفسیر کرتا ہے جو پیغمبرؐ کی وفات کے وقت تک جاری رہا۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک باہمی روحانی عشق برقرار تھا۔ شاید یہاں ہم اس نکتے پر تاکید کرسکیں کہ ان دونوں کے درمیان ایک ایسی وحدت پوشیدہ ہے جس کا اظہار ان کی ایک دوسرے سے معنوی وابستگی سے ہوتا ہے۔ اسی نکتے کو ہم کچھ دوسری روایات میں دیکھتے ہیں۔ ان روایات میں سے ایک روایت یہ ہے:

"اِنَّ فَاطِمَةَ اَقْبَلَتْ مَا تُخْطِئُ مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُوْلِ اللهِ۔"

"فاطمہؑ ایسی نظر آرہی تھیں کہ ان کا چلنا، پیغمبرؐ کے چلنے کی مانند تھا۔"

فاطمہ سلام اللہ علیہا حتیٰ کہ اپنے چلنے پھرنے کے انداز میں بھی پیغمبرؐ سے متاثر تھیں، کیونکہ پیغمبرؐ اُن کے اُستاد، مربی اور معلم تھے۔ پیغمبر اسلامؐ ہر روز فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اخلاق، معنویت اور خردمندی کا ایک تازہ درس دیا کرتے تھے۔ پیغمبرؐ کی یہ دختر مکّہ میں آپ کے ساتھ رہیں، آپؑ روز و شب آنحضرتؐ سے گفتگو کرتیں اور آپؐ کی باتیں سنا کرتی تھیں۔ یہ پیغمبرؐ سے ان کے

حصول علم کا انداز تھا، ان کے شوہر (علی ابن ابی طالبؑ) بھی اسی طرح پیغمبرؐ کے بحرِ علم سے سیراب ہوتے تھے۔

رسول کریمؐ کے سوا، تاریخ میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے کسی اُستاد کا سراغ نہیں ملتا، جیسے علی علیہ السلام کے لیے رسول اللہؐ کے سوا کسی اُستاد کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

علیؑ و فاطمہؑ آئینۂ پیغمبرؐ ہیں

علی اور فاطمہ علیہما السلام کا عقدِ ازدواج، دو ایسے طالب علموں کا بندھن ہے جو ایک ہی استاد کے محضر درس سے مستفید ہوئے ہیں اور یہی عامل اس بات کا سبب ہوا ہے کہ وہ عقلی، روحانی، اخلاقی اور کردار کے لحاظ سے آپس میں مکمل ہم آہنگ ہیں۔ لہٰذا جب ہم حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں رسول خداؐ نظر آتے ہیں، اسی طرح جب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو اُن کے وجود میں بھی پیغمبر اکرمؐ کا نظارہ کرتے ہیں۔

"حاکم" کتاب مستدرک میں سند کے ذکر کے ساتھ "ابی ثعلب" سے نقل کرتے ہیں:

> "جب کبھی رسولِ مقبولؐ جنگ یا سفر سے پلٹتے تو سب سے پہلے مسجد تشریف لے جاتے اور دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کرتے، اس کے بعد اپنی بیٹی فاطمہؑ کے یہاں جاتے اور پھر اپنی ازواج سے ملاقات کرتے۔"

اس بات کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا پیغمبر اسلامؐ کے دوسروں سے حتیٰ کہ آپ کی ازواج تک سے تعلق میں مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

"حاکم" اسی مذکورہ کتاب میں، سند کے ذکر کی ساتھ یوں روایت کرتے ہیں:

> "جب کبھی پیغمبر اکرمؐ عازمِ سفر ہوتے تو سب سے آخر میں فاطمہؑ سے وداع ہوتے۔"

یعنی سفر پر نکلتے ہوئے سب سے آخر میں جو چہرہ دیکھتے وہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا رخِ انور ہوتا، تاکہ آپؑ کا سراپا اور وہ مہربانی اور محبت جس کا زہرا سلام اللہ علیہا اپنے والدِ گرامی کے لیے اظہار کرتی تھیں، دورانِ سفر آپؐ کی روح کی تسکین اور قوتِ قلب کا موجب رہے۔ (روایت ان الفاظ کے ساتھ آگے بڑھتی ہے کہ) جب بھی رسولِ کریمؐ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دیدار کو جاتے۔ کیونکہ پیغمبرؐ پورے سفر کے دوران ان سے ملاقات کا اشتیاق رکھتے تھے۔ وہ اشتیاق جس کی مانند اشتیاق کسی اور کے لیے آپؐ کے دل میں نہ پایا جاتا تھا۔ لہٰذا اس آتشِ شوق کو سب سے پہلے ان کا دیدار کر کے بجھاتے۔

"استیعاب" میں سند کے ذکر کے ساتھ روایت کی گئی ہے:

"اُمُّ المومنین حضرت عائشہ سے پوچھا گیا:

"پیغمبرؐ کے نزدیک محبوب ترین ہستی کون تھی؟"

حضرت عائشہ نے جواب دیا: "فاطمہؑ۔"

راوی نے دریافت کیا:

"مردوں میں آنحضرتؐ کسے سب سے زیادہ پسند کرتے تھے؟"

کہا:

"ان کے شوہر (علیؑ) کو، کہ میں نے انہیں بہت زیادہ روزہ دار اور نماز گزار پایا ہے۔"

ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں سند کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے:

"مَا رَاَیْتُ اَحَدًا قَطُّ اَصْدَقَ مِنْ فَاطِمَۃَ غَیْرَ اَبِیْھَا." [1]

"میں نے فاطمہؑ سے زیادہ راست گو کسی کو نہیں دیکھا سوائے ان کے والدِ

[1] المطالب العالیہ (ابن حجر عسقلانی)

گرامی کے۔"

جی ہاں! آپؑ سچائی اور صداقت کے اس مقام پر فائز ہیں کہ کوئی مسلمان آپؑ کے رتبے تک نہیں پہنچا اور مقامِ صدق میں کوئی ان سے بلند نہ ہوسکا اور یہ مقام، رسول خداؐ سے آپؑ کی پیوستگی اور آنحضرتؐ کی اس ممتاز صفت سے آپؑ کی یگانگت کا عکاس ہے۔ کیونکہ صداقت رسولِ مقبولؐ کی وہ امتیازی خصوصیت تھی جس نے لوگوں کے دلوں میں آپؐ کی نبوت کی قبولیت کی راہ ہموار کی۔ بالفاظ دیگر نبوت قبول کرنے کی بنیادیں آپؐ کی صداقت اور امانت ہیں۔ امانت، صدق کا نتیجہ ہوتی ہے، یوں صدق اور امانت ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، اس لیے کہ کسی صادق اور سچے انسان کا خیانت کا مرتکب ہونا ممکن نہیں، کیونکہ خیانت جھوٹ کی ایک قسم ہے۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا پیغمبر اسلامؐ کی صداقت کا آئینہ ہیں۔ آپؑ صدق کی بدولت ایک بلند درجے پر فائز ہوئیں اور اپنے والد گرامی آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد، آپؑ سے زیادہ سچا کوئی اور نہیں۔ کیونکہ ان کا صدق، اپنے والد گرامی کے صدق سے متصل ہے، جنہوں نے صدق کو ان کی عقل میں بویا تھا تاکہ ان کی فکر ہو، اور صدق کو ان کے جذبات واحساسات میں رچایا بسایا تھا تاکہ وہ صادقانہ جذبات واحساسات کی حامل ہوں اور صداقت کو ان کی حیات میں داخل کیا تھا تاکہ ان کی پوری کی پوری زندگی صداقت سے سرشار ہو۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا بچپنے ہی سے اپنے والد کے سلسلے میں اس احساسِ ذمّے داری کی مالک تھیں، جو احساسِ ذمّے داری ایک ماں اپنے بچے کے بارے میں رکھتی ہے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ سجدے کی حالت میں تھے کہ قریش (کے کچھ لوگوں) نے جانور کی اوجڑی آنحضرتؐ کی پشت پر پھینک دی۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا دوڑ کے آئیں اور اس گندگی کو اُٹھا کر دور پھینک دیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد الحرام کی سمت

تشریف لاتے تھے تو اس موقع پر فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے والدِ گرامی کے ہمراہ ہوا کرتی تھیں۔ یہ قصہ اپنے بابا کے حالات سے باخبر رہنے اور مشرکین کی حرکتوں پر نظر رکھنے کے سلسلے میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اہتمام کی نشاندہی کرتا ہے۔

جنگوں میں بھی والد کے ہمراہ

اسی طرح اپنے والد کے ساتھ ساتھ رہنے کے سلسلے میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی روش کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپ بعض جنگوں میں بھی پیغمبرؐ کے ہمراہ تھیں۔ مورّخین نے مدینے میں آپ کی سرگرمیوں کے بارے میں تحریر کیا ہے: جنگ بدر میں پیغمبر اسلامؐ زخمی ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے آپ کے زخم کو صاف کیا اور پٹی باندھ دی۔ لیکن جب خون نہ رکا، تو فاطمہ سلام اللہ علیہا آئیں، اس حال میں کہ آپؑ رو رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے پدرِ بزرگوار کو آغوش میں لیا، ایک چٹائی جلائی اور اس کی راکھ زخم پر رکھ دی۔ یہاں تک کہ خون بند ہو گیا۔ یہ قصہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اپنے والد گرامی سے محبت کی گہرائی اور ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کے سلسلے میں توجّہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اُس زمانے میں پیغمبر اکرمؐ کی چند بیویاں تھیں لیکن فاطمہ سلام اللہ علیہا آنحضرتؐ کے احوال کی جستجو، اُن کی دیکھ بھال اور اُن کے زخموں پر مرہم رکھنے کے سلسلے میں خود کو اُن کی بیویوں سے زیادہ ذمّے دار سمجھتی تھیں۔

حضرت علیؑ سے شادی

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے شادی کے وقت حضرت علی علیہ السلام انتہائی تنگ دست تھے۔ مہاجرین کی بہت سی بزرگ شخصیات نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا ہاتھ مانگا تھا۔ پیغمبرؐ نے ان لوگوں کو جواب دیا تھا:

"(اس سلسلے میں) میں پروردگار کے حکم کا منتظر ہوں۔"

لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا:

"آپ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا رشتہ کیوں طلب نہیں کرتے؟"

حضرت علی علیہ السلام کو اس بات سے شرم محسوس ہوتی تھی۔ لیکن بہرصورت آپ رسول مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ ان کے گوش گزار کیا۔ پیغمبر اسلامؐ کا چہرہ کھل اُٹھا۔ گویا آنحضرتؐ کو اسی لمحے کا انتظار تھا اور آپ اس کے لیے آمادہ تھے۔

آنحضرتؐ حضرت علی علیہ السلام کی مالی حالت سے بخوبی آگاہ تھے۔ کیونکہ خود آپؐ ہی نے انہیں پال پوس کر جوان کیا تھا اور علی علیہ السلام ان کے گھر میں انہیں کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ لہٰذا جس طرح پیغمبر اکرمؐ حضرت علی علیہ السلام کے علمی اور روحانی فضائل سے آگاہ تھے اسی طرح ان کے پاس موجود مال و دولت کی مقدار کو بھی جانتے تھے۔ اس کے باوجود آپؐ نے ان سے پوچھا:

"تمہارے پاس کیا ہے؟"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"ڈھال، تلوار اور جسم پر موجود لباس، اور آپ اسے خوب جانتے ہیں۔"

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"تلوار تو تمہاری ضرورت ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعے تم اسلام اور اللہ کے رسولؐ کا دفاع کرتے ہو۔ البتہ اپنی ڈھال مجھے دے دو۔"

اس ڈھال کو ۵۰۰ درہم میں فروخت کیا گیا۔ یہی حضرت زہراؑ کا مہر قرار پایا۔ علیؑ اور فاطمہ علیہا السلام تنگ دست ترین لوگوں کی مانند زندگی بسر کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ شدید فقر و افلاس اور گھریلو کاموں کی مسلسل محنت و مشقت نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو (دوسری عورتوں سے کہیں زیادہ) شدید تکلیف میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی کے سلسلے میں ہونے والی گفتگو اور اُن کی شخصیت میں پوشیدہ فضائل کے ضمن میں "کشف الغمہ" میں ایک روایت نظر آتی ہے جس میں حضرت

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:

"لَوْ لَا اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى خَلَقَ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام لِفَاطِمَةَ مَا كَانَ لَهَا كُفُوٌ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ" [۱]

"اگر خداوند تبارک وتعالیٰ نے امیر المومنینؑ کو حضرت فاطمہؑ کے لیے خلق نہ کیا ہوتا تو رُوئے زمین پر ان کے لیے کوئی ہم سر اور ہم شان نہیں تھا۔"

اگر ہمسری "نسب" اور رشتے داری کی بنیاد پر ہوتی تو پیغمبر اسلامؐ کے اور بہت سے چچا زاد بھائی تھے اور اگر مسلمان ہونے کی اعتبار سے ہوتی تو مسلمان بھی بہت تھے، لیکن علی علیہ السلام اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ازدواج میں ایک ایسا راز پوشیدہ ہے جس سے خدا کے سوا کوئی اور واقف نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق غیبی اُمور سے ہے۔

علی علیہ السلام اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بندھن کا سبب بننے والا ایک عنصر یہ ہے کہ یہ دونوں علمی، معنوی اور اخلاقی لحاظ سے ایک ساتھ رسول خداؐ کے ہمراہ رہے تھے، جبکہ صحابہ میں سے کسی اور مرد یا عورت کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا۔ علی اور فاطمہ علیہما السلام، آنحضرتؐ کے دن رات کے ساتھی تھے اور انہوں نے ایک ایسی ہستی کی مانند ان کے ہمراہ زندگی بسر کی تھی جو اپنے سامنے واقع ہونے والی ہر چیز سے سبق حاصل کرتی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ بھی کوشش کیا کرتے تھے کہ ان دونوں کی تربیت اس انداز سے کریں کہ انہیں دیکھنے والا خود آنحضرتؐ کو اپنے سامنے مجسم پائے اور آپ نے اپنے اس عمل کے ذریعے، خداوند عالم کی اس دعوت کا مثبت جواب دیا:

"وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ"

"اور اپنے قریبی رشتے داروں کو تنبیہہ کیجیے۔" [۲]

---

[۱] اصولِ کافی، ج ۱، ص ۴۶۱۔ بحار الانوار، ج ۱۰۰، ص ۳۷۵

[۲] سورۂ شعراء ۲۶۔ آیت ۲۱۴

جس وقت پیغمبرِ اکرمؐ کے عزیز و اقربا نے آپؐ سے منھ موڑ لیا تھا، اس وقت آپؐ کے نزدیک ترین روحی اور ایمانی رشتے دار یعنی علی اور فاطمہ علیہاالسلام آپؐ کے ساتھ ساتھ تھے۔ لہٰذا جس معنوی فضا، اُفق اور خدا پذیری اور خدا شناسی کی خصوصیات کے حامل علی علیہ السلام تھے فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی انہی اوصاف کی مالک تھیں۔

لہٰذا جب ہم حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہاالسلام کی عبادتوں کو دیکھتے ہیں تو دونوں میں قوت، سعی و کوشش اور خدا پذیری کی یکساں اور ایک ہی سی حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس گفتگو کے معنی یہ ہیں کہ یہ دونوں ہستیاں خدا کی معرفت، قدسِ الٰہی اور اُس کی غیبی صفات کے اسرار سے اتصال کے ایک بلند رتبے پر فائز اور خداوند تعالیٰ کے قرب کی اہمیت سے آگاہ تھیں۔

شیخ صدوق، کتاب "عیون اخبار الرضا" میں سند کے ذکر کے ساتھ حضرت ابوالحسن علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے اور وہ اپنے والدِ گرامی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اور وہ اپنے اجداد سے، اور وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

"پیغمبرؐ نے مجھ سے کہا: "اے علیؑ مردانِ قریش نے فاطمہؑ کے سلسلے میں مجھے سرزنش کی اور کہا کہ ہم نے آپؐ سے فاطمہؑ کا رشتہ طلب کیا، لیکن آپؐ نے ہمیں مسترد کر دیا اور علیؑ کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تمہیں مسترد نہیں کیا بلکہ خدا نے تمہیں مسترد کیا اور علیؑ کے ساتھ ان کی شادی کی۔"

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شادی کا مسئلہ پیغمبرؐ کے ہاتھ میں نہ تھا، بلکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فیصلہ تھا۔ اس حدیث کے سلسلۂ سند کے بارے میں احمد بن حنبل کا کہنا ہے:

"لَوْ وُضِعَتْ عَلَى الْمَجْنُوْنِ لَأَفَاقَ۔"

"بے شک اگر یہ سلسلۂ سند کسی دیوانے کی گردن میں ڈال دیا جائے، تو وہ

شفا پا جائے۔"

کیونکہ اس سلسلۂ سند میں ایک امام دوسرے امام سے روایت کرر ہا ہے، یہاں تک کہ حضرت علیؑ رسولِ مقبولؐ سے نقل کرتے ہیں۔

شوہر کے ساتھ ہم آہنگی

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے شوہر کے حوالے سے عائد ہونے والی گھریلو ذمّے داریوں کی ادائیگی میں (دوسری عورتوں کی مانند) کوئی کوتاہی نہیں کی اور اس بنیاد پر کہ آپؑ دخترِ رسولؐ ہیں آپؑ نے اپنے شوہر سے تعلق میں خود کو دوسری مسلمان خواتین سے ممتاز نہیں سمجھا۔ البتہ اپنی گھریلو اور عائلی ذمّے داریوں کی انجام دہی کے سلسلے میں آپؑ ایک ایسے بہترین اور بلند ترین درجے پر فائز ہیں جس تک کوئی مسلمان عورت نہیں پہنچ سکتی۔ آپؑ خود اپنے ہاتھوں سے گندم اور جَو پیستیں، آٹا گوندھتیں، اس کی روٹیاں پکاتیں اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتیں۔

آپؑ اپنی زندگی کے آغاز ہی سے بے انتہا رنج وغم کا شکار رہیں، جن کا سیرت نویسوں نے اپنی تحریروں میں ذکر کیا ہے۔ ایک بہت اہم بات جو حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ازدواجی زندگی میں نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اپنے عزم و حوصلے، استقامت، عبادت اور زہد سے حضرت علی علیہ السلام کی تقویت کا باعث بنیں۔ آپؑ نے گھریلو ماحول میں ایسی اسلامی فضا ایجاد کی کہ جب حضرت علی علیہ السلام گھر میں داخل ہوتے تو خود کو ہر طرف سے اسلام کے حصار میں محسوس کرتے، کیونکہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے گھر کی فضا کو اسلام کی خوشبو سے معطر کیا ہوا ہوتا تھا اور علی علیہ السلام جس طرح مسجد میں اور رسول مقبولؐ کے نزدیک ایک اسلامی فضا میں سانس لیتے تھے اسی طرح گھر میں، دخترِ رسولؐ کے پہلو میں بھی ایک اسلامی فضا میں جیتے تھے۔

علی علیہ السلام ایک ایسے مسلمان شوہر ہیں جو بجا طور پر خود حق کا مدار ہیں، جنہوں نے اپنی

عقل، رُوح عبادت، استقامت اور زہد کے ذریعے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے ایک مثالی اسلامی ماحول فراہم کیا۔ خود فاطمہ سلام اللہ علیہا حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت میں موجود فضائل کے ذریعے اسلام کی دل انگیز خوشبو سے مشام جاں کو معطر کرتیں۔ بارگاہِ خداوندی میں تضرع، خشوع، عبادت اور سجدہ ریزیوں کے ساتھ ساتھ یہ دونوں محبت الٰہی اور خوفِ خدا میں بھی ممتاز مقام کے حامل تھے۔

اَلۡجَارَ ثُمَّ الدَّارَ

زہرا ؑ نے اپنے گھر میں ایسا ہی معنوی ماحول قائم کیا ہوا تھا، حتیٰ کہ ان کے بچے بھی بچپنے سے، ایسے ہی ماحول میں زندگی بسر کررہے تھے۔ ان کے فرزند امام حسن علیہ السلام دیکھا کرتے کہ ان کی والدہ راتوں کو اُٹھ کر عبادت الٰہی انجام دیا کرتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہماری والدہ راتوں کو اس قدر عبادت کیا کرتی تھیں کہ ان کے پیر سوج جاتے تھے۔"

اگر طویل قیام اور دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے پیروں پر پڑنے والے دباؤ کو پیش نظر رکھیں تو یہ ایک قدرتی بات نظر آتی ہے۔ بی بی سلام اللہ علیہا کے طویل قیام، ان کے بہت زیادہ مناجات میں مشغول رہنے اور خدا سے اتصال کی علامت ہیں۔ آپ ؑ کے فرزند (امام حسن علیہ السلام) بچکانہ معصومیت کے ساتھ اپنی مادرِ گرامی ؑ کی سرگوشیاں اور رب العالمین کے ساتھ ان کے راز و نیاز کو سنا کرتے اور دیکھتے کہ ان کی والدہ مومن مردوں اور عورتوں کے لیے دُعا گو ہیں۔ وہ انتظار میں رہتے کہ کبھی تو ان کی نحیف و نزار اور عمر بھر مشکلات سے نبرد آزما رہنے والی والدہ، خود اپنے لیے دعا کریں۔ لیکن انہوں نے انہیں اپنے لیے دعا کرتے نہ سنا۔ ایک روز جب ان کی والدہ نماز و مناجات سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے پوچھا:

"امّاں! آپ اپنے لیے کیوں دعا نہیں کرتیں؟ جبکہ آپ دوسروں سے زیادہ دعا کی محتاج ہیں؟"

آپؑ کی روحانیت اور معنویت سے لبریز نماز خدا کی طرف سے استجابت دعا کی اُمید پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ انسان دل و جاں کی جس قدر زیادہ گہرائی کے ساتھ درگاہِ الٰہی میں حاضری دیتا ہے، خدا اتنی ہی زیادہ اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برساتا ہے اور جلد اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا:

"یَا بُنَیَّ! اَلْجَارَ ثُمَّ الدَّارَ"

"بیٹا! پہلے ہمسایہ پھر گھر"

یعنی ہمیں اپنی فکر کرنے سے پہلے مسلمانوں کی حالت کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اس طرح ہم مسلمانوں کے دُکھوں اور تکلیفوں کو محسوس کریں گے اور خدا سے دعا کریں گے کہ ان کے دکھوں کا مداوا فرمائے۔ ہم مسلمانوں کے لیے دعا گو ہوں گے تو خدا ہم پر بھی اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور جو چیز ہم ان کے لیے طلب کرتے ہیں وہ ہمیں بھی عطا فرمائے گا۔

قرآنِ کریم نے اہلِ بیت علیہم السلام کو دوسروں سے ممتاز کرنے والے ان جذبات و احساسات کو ہمیشگی بخشی ہے۔ یہ احساسات صرف حضرت زہرا سلام اللہ علیہا میں منحصر نہ تھے بلکہ تمام اہل بیت علیہم السلام (جنہیں خدا نے رجس اور نجاست سے محفوظ رکھ کر پاک و پاکیزہ بنایا ہے) ان احساسات کے مالک تھے۔ ان سب نے روحانی، دانش مندانہ اور معاشرتی میدان میں ایک پاکیزہ زندگی بسر کی ہے:

"وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ"[۱]

"یہ اُس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے

[۱] سورۂ انسان ۷۶۔ آیات ۹،۸

کہتے ہیں کہ) ہم صرف اللہ کی مرضی کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں۔“

ہم تمہیں کھانا دے کر اپنا روزہ پانی سے افطار کرتے ہیں، اس لیے کہ ہم تمہیں خود پر ترجیح دیتے ہیں، ہم اہلِ خانہ پر ہمسائے کو مقدم سمجھتے ہیں:

”لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا○ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا○ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا○“ [1]

”اور ہم نہ تو تم سے کسی بدلے کے طلبگار ہیں، نہ شکریے کے۔ ہم اپنے پروردگار سے اس دن کے بارے میں ڈرتے ہیں جس دن چہرے بگڑ جائیں گے اور ان پر ہوائیاں اُڑنے لگیں گی۔ تو خدا نے انہیں اُس دن کی سختی سے بچالیا اور تازگی اور سُرور عطا کیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے یہ دیکھتے ہوئے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا بیماری اور سخت محنت کی وجہ سے بہت تکلیف میں ہیں، ان سے فرمایا کہ کیا ہی اچھا ہو، اگر آپ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کے ان سے ایک خدمت گار طلب کریں، تا کہ آپ کو کچھ آرام مل سکے اور آپ کے کام کا بوجھ کچھ ہلکا ہوجائے۔ لیکن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اس درخواست سے گریز فرمایا: کیونکہ آپؑ جانتی تھیں کہ اگر یہ ضروری ہوتا تو خود پیغمبرؐ انہیں ایک خدمت گار فراہم کردیتے۔ انہوں نے یہ تعلیم پائی تھی کہ ہر حال میں رسول خداؐ سے ہم آہنگ اور اُن کے ہم قدم رہنا چاہیے۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے:

ایک روز حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے تحفے میں ملنے والا دست بند یا گلو بند پہنا ہوا تھا اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ نیا

---

[1] سورۂ انسان ٧٦۔ آیات ٩ تا ١١

پردہ گھر میں آویزاں کیا تھا۔ رسول اللہؐ سفر سے واپسی پر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر تشریف لاتے ہیں اور یہ چیزیں دیکھ کر بغیر ٹھہرے ہوئے واپس پلٹ جاتے ہیں۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا رسولِ کریمؐ کا یہ انوکھا طرزِ عمل دیکھ کر متعجب ہوتی ہیں، سوچتی ہیں کہ پیغمبرؐ کا اس طرح فوراً گھر سے چلے جانا غیر معمولی بات ہے۔ غور کرتی ہیں کہ کیا نئی بات ہوئی ہے؟ کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے؟ آپ کی نظر اپنے زیور (یا نئے پردے) پر پڑتی ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ آپؑ اس دست بند یا گلو بند کو فروخت کر کے اس رقم سے ایک غلام خرید کر راہِ خدا میں آزاد کرتی ہیں۔ ایک اور روایت میں یہ آیا ہے کہ آپؑ پردہ اُتار کر اپنے بچوں (حسن و حسین علیہما السلام) کو دیتی ہیں اور ان سے کہتی ہیں کہ اسے پیغمبرؐ کے حوالے کر دیں اور ان سے کہیں کہ آج کے بعد ایسا کوئی عمل مجھ سے سرزد نہ ہوگا، اب جیسا آپ مناسب سمجھیں اس کے ساتھ کیجیے۔ حسن اور حسین علیہما السلام اپنے نانا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، پیغمبرؐ منبر پر تشریف فرما تھے، بچے نزدیک پہنچ کر امانت پیغمبرؐ کے حوالے کرتے ہیں اور اپنی والدہ کا پیغام انہیں پہنچاتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کا یہ پیغام سن کر وجد میں آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"فِدَاهَا اَبُوْهَا ،فِدَاهَا اَبُوْهَا ،فِدَاهَا اَبُوْهَا ،مَالِاٰلِ مُحَمَّدٍ وَالدُّنْيَا اِنَّهُمْ خُلِقُوْا لِلْاٰخِرَةِ ۔"

"اس کا باپ اس پر فدا ہو، اس کا باپ اس پر فدا ہو، اس کا باپ اس پر فدا ہو۔ آلِ محمدؐ کو دنیا سے کیا کام، وہ تو آخرت کے لیے خلق کیے گئے ہیں۔"

تسبیحاتِ زہرا سلام اللہ علیہا

حضرت علی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے والدِ گرامی سے ایک خدمت

گار کی فرمائش سے گریز کررہی ہیں، تو آپؑ نے فیصلہ کیا کہ آپ خود اس سلسلے میں پیغمبرؐ سے بات کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ایک خدمت گار بخش دیں۔ حضرت علی علیہ السلام، رسول کریمؐ کی خدمت میں تشریف لائے اور ان الفاظ کے ساتھ بات کا آغاز کیا کہ مسلسل گندم پیسنے کی وجہ سے زہراؑ کے ہاتھ سخت اور ان کا بدن ناتواں ہو چکا ہے اور بچوں کی نگہداشت بھی ان کے لیے دشوار ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے پیغمبرؐ سے درخواست کی کہ خدمت گار کے طور پر ایک اسیر انہیں بخش دیا جائے۔

پیغمبر اسلامؐ نے خدا کے ساتھ ان دونوں کا رابطہ مزید مضبوط کرنے اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی سختیوں کو کم کرنے کی غرض سے، ان سے فرمایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ میں تمہیں ایک ایسی چیز کی تعلیم دوں جس کی انجام دہی تمہارے لیے خدمت گار رکھنے سے بہتر ہو؟ پھر فرمایا کہ سوتے وقت ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرو۔ یہ عمل اس سے بہتر ہے کہ تمہارے پاس ایک خدمت گار ہو۔ ان دونوں نے فرمایا: ہم خدا کی رضا پر راضی ہیں۔

اسلام نے تسبیحات زہرا سلام اللہ علیہا کو جاوداں کردیا، وہ تسبیحات جو ہمیں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی یاد دلاتی ہیں، جس کے دوران خدا کی کبریائی، اُس کی حمد و ستائش اور اُس کی تسبیح کرتے ہوئے آپؑ اپنے غموں کو بھلا دیتی تھیں تا کہ ہمارے لیے واضح کر جائیں کہ خدا کے لیے کس طرح جیا جاتا ہے اور کس طرح مصیبتوں میں خدا کو یاد کیا جانا چاہیے۔

ایک اور روایت میں جو "کلینیؒ" نے کافی میں سند کے ذکر کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے، وہ یہ ہے:

"ایک موقع پر جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے رسول اللہؐ سے اپنی بعض مشکلات کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے اپنی دختر کو کھجور کے درخت کی ایک شاخ دی (جس پر آپ نے کچھ تحریر کیا ہوا تھا)"

اس طرح پیغمبرؐ چاہتے تھے کہ اپنی بیٹی کو مادّی اُمور سے زیادہ علم و معنویت کی جانب متوجّہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا:

"اس پر جو کچھ لکھا ہوا ہے اسے یاد کرلو۔"

اس پر تحریر تھا:

"جو کوئی خدا اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہیں پہنچاتا اور جو کوئی خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا احترام کرتا ہے اور جو کوئی خدا اور آخرت پر ایمان کا مالک ہے وہ اچھی بات زبان سے نکالتا ہے یا خاموش رہنا پسند کرتا ہے۔"

پیغمبرؐ چاہتے تھے کہ اس نصیحت کے ذریعے اور اسلامی اقدار (Values) کے بارے میں اپنی حسّاسیت کی جانب اپنی دختر کو متوجّہ کرکے، ان کی فکر کو ان تعلیمات کے سلسلے میں مشغول کریں جو آپؐ انسانوں کے لیے لائے ہیں اور اس طرح ان کے غموں اور دکھوں کو کم کریں اور انہیں سختی اور اس درد پر مسلط کردیں جو انہیں آزار پہنچا رہا ہے۔

ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کے یہ معنی لیتے ہیں کہ انسان کو خود پر پڑنے والی سختیوں اور اپنے دکھوں سے زیادہ اپنی ذمّے داری سے آگاہ ہونا چاہیے، تاکہ وہ ان سختیوں سے نجات پانے سے زیادہ اپنی ذمّے داری کی ادائیگی کو ترجیح دے۔ کیونکہ جب انسان کے پیشِ نظر بڑے بڑے اُمور کا اہتمام ہوتا ہے تو وہ معمولی مسائل کو بھلا دیتا ہے۔

عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں حضرت زہراؑ کا کردار

بعض مورّخین کے مطابق حضرت زہرا سلام اللہ علیہا جو کچھ نبی کریمؐ سے سیکھتیں، مسلمان عورتوں کو اس کی تعلیم دیتیں۔ دائرۃ معارفِ اسلامی (Islamic Encyclopaedia) کی مصنف نے نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے لکھے ہوئے صفحات میں سے کچھ صفحے کہیں گم ہوگئے، انہوں نے ان اوراق کی تلاش کے لیے "فضہؓ" کو مامور کیا (جو عمر کے

آخری حصے میں آپ کی خدمت پر مامور تھیں) ان اوراق پر تحریر باتیں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے خاص اہمیت کی حامل تھیں کیونکہ یہ انہوں نے حضرت رسولِ کریمؐ سے سیکھی تھیں۔

یہ موضوع اس بات نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا تمام مشکلات اور سختیوں کے باوجود مسلمان خواتین (جو گاہے گاہے آپ کے پاس آتی تھیں) کو تعلیم دینے اور انہیں زندگی کے مسائل سے آگاہ کرنے کے سلسلے میں اپنی ذمّہ داری کا احساس رکھتی تھیں۔

اہل بیت علیہم السلام کی احادیث ہمیں بتاتی ہیں کہ بی بیؑ کے پاس مصحف نامی کتاب تھی۔ کچھ لوگوں نے لفظ "مصحف" سن کر خیال کیا ہے کہ یہ مسلمانوں کے پاس موجود قرآن سے مختلف کوئی دوسرا قرآن ہے۔ جبکہ بعض احادیث (جن میں کافی کے بابِ زکوٰۃ کی ایک حدیث بھی شامل ہے) میں آیا ہے کہ مصحف فاطمہؑ دراصل "کتابِ فاطمہؑ" ہے۔ کیونکہ مصحف کا لفظ، صحف سے ماخوذ ہے جس کے معنی اوراق ہیں۔ خداوندمتعال قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى۔"[1]

"ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔"

یا:

"فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ"[2]

"یہ باعزت صحیفوں میں ہے۔"

لہٰذا "مصحفِ فاطمہؑ" وہ اوراق تھے جن پر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا لکھا کرتی تھیں۔ البتہ اس مصحف کے مواد و مشمولات کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وصیت اور کچھ شرعی احکام لکھے ہوئے تھے، جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کتاب غیبی اُمور اور ان ہی جیسی باتوں پر مشتمل تھی۔

---

[1] سورۂ اعلیٰ ۸۷۔ آیت ۱۹

[2] سورۂ عبس ۸۰۔ آیت ۱۹

بہر حال یہ کتاب، آج دنیا کے کسی گوشے میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اس کے مواد و مشمولات کے حوالے سے کیے جانے والے دعووں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ کتاب آج موجود ہی نہیں کہ اس پر اختلاف اور نزاع کیا جائے۔ ہم اس کتاب کی صرف ان چیزوں کے بارے میں دعویٰ کر سکتے ہیں جو اہل بیت علیہم السلام نے ہمارے لیے نقل کی ہیں۔

اسی طرح "مصحفِ علیؑ" ہے اور وہ بھی ہماری دسترس میں نہیں۔ اس کا صرف وہ حصہ جو اہل بیت علیہم السلام نے ہمارے لیے نقل کیا ہے، قابل استفادہ ہے۔ یہی معاملہ "جامعہ" اور "جفر" کا ہے جنہیں اہل بیت علیہم السلام نے اپنے منابع (Sources) قرار دیا ہے۔

خطبۂ زہرا سلام اللہ علیہا

مذکورہ گفتگو کی روشنی میں واضح ہے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا ایک عالمہ کا مظہر ہیں اور ایک ایسی مبلّغ کی حیثیت رکھتی ہیں جو ایک بلند علمی اور معنوی مقام سے اسلامی اُمور و معاملات کا اہتمام کرتی ہیں۔

جب ہم آپؑ کا وہ خطبہ پڑھتے ہیں جو آپؑ نے (مسجد میں اپنے حقِ فدک) کے حصول کے لیے ارشاد فرمایا تو ہمیں آپ کی بھرپور علمی اور معنوی صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا یہ خطبہ ارشاد فرما کے اور فدک طلب کر کے کوئی مادّی مقصد حاصل کرنا نہیں چاہتی تھیں، بلکہ کچھ دوسرے اہداف و مقاصد آپؑ کے پیش نظر تھے، جو ایک اجتماعی مسئلے سے جا ملتے ہیں، جس کا آپؑ دفاع اور تحفظ کرنا چاہتی تھیں۔ اس طرح انہوں نے امیر المومنینؑ کے حقِ خلافت (جس کی وہ خود معتقد تھیں اور ہم بھی معتقد ہیں) کا دفاع کیا۔

خطبے کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ اس خطبے کی پہلی فصل بہت سی اسلامی اقدار اور واجبات کی تشریح پر مشتمل ہے، جو آپ کی بھرپور علمی صلاحیتوں پر بہترین گواہی ہے۔ اس فصل کو متن قرار دے کر بہت سی اسلامی تعلیمات کو بیان کرنے والی ایک تفصیلی شرح لکھی جا سکتی ہے۔

اسی طرح جب آپؑ اپنے والد کی طرف سے ملنے والی وراثت کے حق کو ثابت کرنے کے لیے اور پیغمبر اسلامؐ سے منسوب کی جانے والی روایت:

"اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" [1]

"ہم انبیاء اپنا ترکہ نہیں چھوڑتے اور جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔"

کو مسترد کرنے کے لیے وراثت سے متعلق آیاتِ قرآنی کو اپنے استنباط کی بنیاد بنا کر انہیں بطور سند پیش کرتی ہیں اور اس طرح ایک قرآنی بحث میں داخل ہوتی ہیں، تو فقہی مسائل کے استنباط میں قرآن کریم کو سند قرار دینے کے سلسلے میں آپؑ کی عظیم فقہی صلاحیت سامنے آتی ہے۔

جب ہم مہاجرین اور انصار سے آپ کی گفتگو کا جائزہ لیتے ہیں تو آپؑ کی رائے کی پختگی اور اپنی ذمّے داری کی ادائیگی کے سلسلے میں آپؑ کی صلاحیت ہم پر روشن ہوتی ہے اور یہ بات تصوّر میں بھی نہیں آتی کہ گفتگو کرنے والی یہ شخصیت، وہی نحیف و ناتواں خاتون ہیں جو کبھی کبھی بے حال ہوجاتی ہیں۔ ہم انہیں ایک ایسی طاقتور خاتون کے روپ میں دیکھتے ہیں جو مردوں کے سامنے پامردی کے ساتھ کھڑی ہوتی ہیں اور ایک مضبوط منطق کی بنیاد پر ان سے گفتگو کرتی ہیں اور شبہات کو ایسی حجت اور دلیل سے مسترد کرتی ہیں کہ جس کی مثال اس سے پہلے کسی خاتون کی گفتگو میں نہیں ملتی۔

حضرت زہراؑ کی مظلومیت

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی میں بکثرت تکالیف سہیں اور بہت سے ظلم وستم برداشت کیے، جنہیں شیعہ اور سنّی کتبِ احادیث میں روایت کیا گیا ہے۔ ان ہی راویوں میں سے ایک راوی "ابن قتیبہ" جو اہلسنّت کے علماء و مؤرّخین میں سے ہے، اپنی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" میں لکھتا ہے:

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۳۵۳

”وہ لوگ لکڑیاں لے آئے تا کہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کے دروازے کو آگ لگا کر اعتراض کرنے والے ان لوگوں کو خوفزدہ کیا جا سکے جو حضرت علی علیہ السلام کے گرد جمع ہو گئے تھے۔“

مورّخین کے مطابق حملہ آور گروہ کے سرغنہ سے کہا گیا:

”خبردار! اس گھر میں فاطمہؑ ہیں۔“

فاطمہ سلام اللہ علیہا وہ ذات ہیں کہ تمام مسلمان متفقہ طور پر ان سے محبت، ان کا احترام اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ رسول مقبولؐ کی اکلوتی یادگار بیٹی ہیں اور رسول مقبولؐ کی پارۂ تن اور جگر گوشہ ہیں، جو کوئی انہیں آزار پہنچائے اور ناراض کرے گا وہ پیغمبر اکرمؐ کو آزردہ اور ناراض کرے گا۔

حملہ کرنے والوں کے سرغنہ سے کہا گیا:

”تمہیں پتا نہیں، اس گھر میں بتولؑ رہتی ہیں، اس کے باوجود تم اس کے دروازے پر لکڑیاں اکٹھی کر کے اسے جلانے کی جسارت کر رہے ہو؟“

اس نے جواب دیا:

”وَاِنْ“ ”اور اگر۔۔۔ (یعنی حتیٰ کہ اگر فاطمہؑ بھی گھر میں ہوں تب بھی گھر کو آگ لگا دو)

ہمارے خیال میں یہ لفظ خطرناک ترین الفاظ میں سے ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر فاطمہ سلام اللہ علیہا کسی گھر میں موجود ہوں تب بھی اس گھر کو آگ لگا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ لفظ اس قدر خطرناک ہے کہ مصری شاعر ”حافظ ابراہیم“ نے اپنے قصیدے ”عمریہ“ میں اس کی سختی اور دُرشتی کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس گفتگو کا مفہوم یہ ہے کہ اس گھر میں کوئی مقدس ہستی نہیں رہتی۔ پس اس گھر اور اس کے مکینوں کو جلا ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہمارے خیال میں ”وَاِنْ۔۔۔“ کہنا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا پر بدترین ظلم ہے۔ خواہ

راویوں کا یہ کہنا کہ یہ گروہ گھر میں داخل ہوگیا تھا درست ہو یا نہ ہو، "وَاِنْ" کا لفظ حملہ کرنے والے لوگوں کی نیت اور ارادوں کی عکاسی کرتا ہے۔

ہمارے خیال میں اگر حملہ کرنے والے یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ سنجیدہ گفت وشنید کی راہ اپناتے، تو علی علیہ السلام بھی جو اپنی تمام زندگی میں حتیٰ کہ اپنی خلافت کے زمانے تک میں گفتگو اور مکالمے کو ترجیح دینے والے تھے، اس راہ کو پسند کرتے، اسی طرح فاطمہ سلام اللہ علیہا جو مدرسۂ قرآن (جو گفتگو اور مکالمے کی کتاب ہے) کی تربیت یافتہ تھیں اس راستے کو قبول کرتیں۔ لیکن اُس دور کے حالات میں گفت وشنید اور مکالمے کی جانب رغبت کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔

جی ہاں! حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو یہ تمام مصائب دُکھ پہنچاتے تھے، لیکن کبھی آپ نے ان کی شکایت نہ کی۔ صرف حضرت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تدفین کے بعد ان کی تکالیف اور رنج والم کے بارے میں رسول اللہؐ سے شکایت فرمائی:

"وَسَتُحَدِّثُكَ ابْنَتُكَ عَمَّا نَالَهَا وَمَا اَصَابَهَا بَعْدَكَ۔"

"بہت جلد، آپ کی دختر ان چیزوں کے بارے میں آپ کو بتائیں گی جو انہوں نے دیکھیں اور سہیں۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو پریشان کیے ہوئے تھی، وہ مسلمانوں اور اسلام کے مسائل تھے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عقیدہ تھا کہ خلافت کا تعلق اسلام کے مستقبل اور اس کی بقا اور دوام سے ہے۔ وہ جانتی تھیں کہ علی علیہ السلام وہ ہیں جنہیں پیغمبر اسلامؐ نے علم کے ہزار ابواب سے روشناس کرایا ہے اور ان میں سے ہر باب سے مزید ہزار باب کھولے جاسکتے ہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ علی علیہ السلام حق کے ساتھ ہیں اور خود مدارِ حق ہیں۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا جانتی تھیں کہ علی علیہ السلام کو رسولِ مقبولؐ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی سوائے نبوت کے۔ آپؑ جانتی تھیں کہ علی علیہ السلام وہ ہستی ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی راہِ خدا

میں جہاد کرتے ہوئے بسر کی ہے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا جانتی تھیں کہ علی علیہ السلام کی ضربت جنّ وانس کی عبادت کے برابر ہے اور جانتی تھیں کہ علی علیہ السلام وہ انسان ہیں جن کی پوری کی پوری شخصیت رسول مقبولؐ کے سایۂ تربیت میں پروان چڑھی ہے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا حضرت علی علیہ السلام میں پائی جانے والی ان تمام خصوصیات اوران کو حاصل تمام امتیازات کی بنیاد پر انہی کو ایک ایسا لائق اور اہل رہبر سمجھتی تھیں جو فلاح و کامیابی کی جانب مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔

مہاجرین اور انصار سے آپؑ کی گفتگو

کتاب "السقیفہ" کے مؤلف کے مطابق متعدد علماء جیسے طبرسیؒ نے "احتجاج" میں، صدوقؒ نے "معانی الاخبار" میں، ابن ابی الحدید نے "شرح نہج البلاغہ" میں، صدوقؒ نے "امالی" مین اور اربلیؒ نے "کشف الغمہ" میں لکھا ہے:

جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بستر مرض پر تھیں، یہ وہی بیماری تھی جس میں آپؑ نے رحلت فرمائی۔ آپؑ کی بیماری شدید ہوگئی تو مہاجرین اور انصار سے تعلق رکھنے والی خواتین گروہ درگروہ آپؑ کی عیادت اور آپؑ کی سلامتی کی دعا کی غرض سے آپ کی خدمت میں آنے لگیں۔ ان خواتین نے آپؑ سے ان کی خیریت دریافت کی اور آپؑ کی احوال پرسی کی۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے خداوند عالم کی حمد وسپاس اور اپنے والدِ گرامیؐ پر درود وسلام کے بعد فرمایا:

"اَصْبَحْتُ وَ اللهِ عَائِفَةً لِدُنْیَا کُنَّ قَالِیَةً لِرِجَالِکُنَّ لَفَظْتُهُمْ بَعْدَ اَنْ عَجَمْتُهُمْ وَ سَئِمْتُهُمْ بَعْدَ اَنْ سَبَرْتُهُمْ فَقُبْحًا لِفُلُوْلِ الْحَدِّ وَ اللَّعِبِ بَعْدَ الْجِدِّ وَ قَرْعِ الصَّفَاةِ وَ صَدْعِ الْقَنَاةِ وَ خَتْلِ الْآرَاءِ وَ

زَلَلِ الْاَھْوَاءِ"[۱]

"خدا کی قسم! میں تمہاری دنیا سے سخت ناخوش ہوں۔ تمہارے مردوں کے بارے میں بغض و عداوت میرے دل میں گھر کر چکی ہے۔ میں نے تمہارے مردوں کی آزمائش کرنے اور اس آزمائش میں ان کے پورا نہ اُترنے کی بنا پر، انہیں منھ سے (اپنے دل سے) باہر نکال پھینکا ہے۔ جہاں تیزی مطلوب ہو اس مقام پر سستی کس قدر ناپسندیدہ ہے اور سنجیدگی اور دلجمعی کے بعد غیر سنجیدگی اور بے دلی کس قدر قبیح ہے۔ کتنا بُرا ہے نوکیلے پتھر پر مارنا، کتنا بُرا ہے نیزوں کی انیوں پر شگاف ڈالنا اور رائے اور خیال کی خطا اور خواہشات کی لغزش۔"

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

"وَ مَا الَّذِیْ نَقَمُوْا مِنْ اَبِی الْحَسَنِ نَقَمُوْا مِنْہُ وَاللہِ نَکِیْرَ سَیْفِہٖ وَ قِلَّۃَ مُبَالَاتِہٖ بِحَتْفِہٖ وَ شِدَّۃَ وَطْاَتِہٖ وَ نَکَالَ وَقْعَتِہٖ وَ تَنَمُّرَہٗ فِیْ ذَاتِ اللہِ"[۲]

"کون سا عامل اس بات کا سبب بنا کہ وہ ابوالحسن سے انتقام لیں؟ خدا کی قسم! باطل کو شکست دینے والی شمشیر کی وجہ سے ان سے انتقام لیا ہے۔ ان کی بے جگری، ان کے موت سے ہراساں نہ ہونے، باطل کے خلاف ان کی ثابت قدمی (دشمنانِ اسلام) کے سروں پر قہر بن کر ٹوٹنے اور راہِ خدا میں ان کی شجاعت اور جوانمردی کی وجہ سے ان سے انتقام لیا گیا ہے۔"

"سوید بن غفلہ" کہتے ہیں کہ ان عورتوں نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی یہ باتیں اپنے مردوں کو جا کر بتائیں تو یہ سن کر مہاجرین و انصار کا ایک گروہ عذر خواہی کی غرض سے ان

---

[۱] بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۱۵۹

[۲] بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۱۶۰

کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

"اے سیّدۃ النساءؑ! اگر ابوالحسنؑ پیمانِ خلافت منعقد ہونے اور بیعت محکم ہوجانے سے پہلے ہمیں اس مسئلے سے آگاہ کرتے تو ہم ان سے منھ نہ پھیرتے اور دوسروں کا ساتھ نہ دیتے۔"

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے انہیں جواب دیا:

"اِلَیْکُمْ عَنِّیْ فَلَا عُذْرَ بَعْدَ تَعْذِیْرِکُمْ وَلَا اَمْرَ بَعْدَ تَقْصِیْرِکُمْ"

"میری نظروں سے دُور ہوجاؤ، جھوٹی عذر خواہی کے بعد کوئی عذر باقی نہیں رہا ہے۔ اس تقصیر کے بعد، ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں۔" [1]

یہی پورا قصہ ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے:

آپ، حضرت علی علیہ السلام کے حق کے بارے میں گفتگو کے لیے مہاجرین اور انصار کے گھروں پر جاتی تھیں۔

اس معاملے کی خصوصیات سے قطع نظر، ہم سمجھتے ہیں کہ آپ صرف اور صرف اسلام اور حق اور حقانیت کے لیے زندہ رہیں اور اس میدان میں محکم اور اُستوار تھیں۔

حضرت ابوبکر و عمر سے گفتگو

"ابن قتیبہ" نے کتاب "الامامة والسیاسة" میں آپؑ کی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے ہونے والی گفتگو کو اس طرح نقل کیا ہے:

حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا، آیئے فاطمہؑ کے یہاں چلتے ہیں کیونکہ ہم نے انہیں ناراض کردیا ہے۔ دونوں حضرات اُٹھے اور حضرت علی علیہ السلام کے گھر آئے اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے گھر میں داخلے کی اجازت طلب کی۔

---

[1] بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۱۶۱

لیکن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اجازت نہ دی۔

یہ دونوں حضرات، حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور آپؑ سے بات کی، حضرت علی علیہ السلام ان دونوں کو گھر میں لے گئے۔ جب یہ دونوں حضرات، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ ان دونوں نے سلام کیا لیکن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے انہیں جواب نہ دیا۔ حضرت ابوبکر نے گفتگو شروع کی اور کہا: اے دختر رسولؐ! واللہ، آپ مجھے اپنے اقربا سے بھی زیادہ عزیز ہیں اور میں آپ سے اپنی بیٹی عائشہ سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں۔ میری تمنا تھی کہ جس روز آپ کے والدِ گرامیؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے مجھے بھی موت آ جاتی اور ان کے بعد اس دنیا میں باقی نہ رہتا۔ کیا ممکن ہے کہ آپ کی معرفت رکھنے کے باوجود اور آپ کے فضل و شرف کو جاننے کے بعد بھی میں آپ کو آپ کے حق اور وراثت سے محروم کرتا؟ میں نے آپؐ کے والدِ گرامی سے سنا تھا کہ، آپؐ نے فرمایا: ہم انبیاء، ترکہ نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے ان کے اس ادّعا پر کوئی توجّہ نہ دی۔ کیونکہ آپؑ نے اس کا جواب اپنے خطبے میں دے دیا تھا اور اس مسئلے کو مکمل طور پر حل فرما دیا تھا اور پھر یہ کہ اس حدیث کو سوائے حضرت ابوبکر کے کسی اور نے نقل نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہؐ جو تمام لوگوں سے زیادہ حضرت فاطمہؑ کو عزیز رکھتے تھے اور انہیں ہر بدی اور برائی سے دور رکھتے تھے اگر (ان کے) ترکے کا مسئلہ آیت قرآن سے قابل تخصیص ہوتا، (ہر چند آیتِ قرآن اس بارے میں واضح ہے) تو آخر کیونکر آپؐ اس شرعی حکم سے اپنی بیٹی کو آگاہ نہ فرماتے؟ یا کم از کم اس کی جانب اشارہ ہی فرما دیتے؟ حتیٰ کہ حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے

حضرت فاطمہ علیہا السلام کے حق میں گواہی دی لیکن ان کی شہادت بھی قبول نہ کی گئی۔
اب جبکہ حضرت ابوبکر نے ایک مرتبہ پھر اس مسئلے کو اُٹھایا تو حضرت زہرا علیہا السلام نے اس مسئلے پر جسے آپ پہلے ہی حل فرما چکی تھیں دوبارہ گفتگو کی ضرورت محسوس نہ کی۔ البتہ آپؑ نے یہ ضرور چاہا کہ آپؑ پر، ہر طرف سے جو اذیت و آزار اور ظلم و جور روا رکھے گئے ہیں، ان کے سبب ان حضرات پر ایک حجت قائم کر دیں۔ لہٰذا آپؑ نے ان دونوں حضرات سے سوال کیا: کیا میں آپ کے سامنے پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث نقل کروں۔ کیا آپؑ اسے مان کر اس پر عمل کریں گے؟

ان حضرات نے کہا: جی ہاں، ضرور فرمایئے۔ آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! کیا آپ لوگوں نے رسول اللہؐ سے یہ نہیں سنا تھا کہ فاطمہؑ کی رضا و خوشنودی میری رضا و خوشنودی ہے اور فاطمہؑ کا غضب ناک اور ناراض ہونا میرا غضب اور ناراضی ہے۔ جو کوئی میری بیٹی فاطمہؑ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جس کسی نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا ہے؟[1]

ان حضرات نے کہا: جی ہاں! ہم نے رسول اللہؐ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے۔

اس پر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: میں خداوندِ عالم اور اُس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ آپ حضرات نے مجھے ناراض کیا ہے، راضی نہیں رکھا۔ اپنے والدِ گرامی سے ملاقات کے موقع پر میں آپ حضرات کی شکایت کروں گی۔ حضرت ابوبکر نے کہا: اے فاطمہؑ! میں اُن کی اور آپ کی ناراضی سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

---

[1] اسی مضمون سے مشابہ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "ان اللہ یغضب لغضب فاطمۃ و یرضیٰ لرضاھا"، یعنی: خداوند عالم، فاطمہ کے غضب سے غضب ناک اور ان کی رضایت سے راضی و خوشنود ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو: مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۵۴؛ مجمع الزوائد، ہیثمی، ج ۹، ص ۲۰۳۔ ہیثمی کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو "حَسَن" قرار دیا ہے۔ (معجم الطبرانی، ج ۲۲، ص ۴۰۱)

اپنے والدگرامیؐ کے فراق کا غم واندوہ

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، ہر حال میں ثابت قدم رہیں۔ آپؑ اپنے والدِ گرامی کے بچھڑ جانے پر انتہائی غمگین تھیں اور بہت زیادہ رویا کرتی تھیں۔

پیغمبر اسلامؐ حالتِ احتضار میں تھے، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے انہیں اپنی آغوش میں لیا اور رونے لگیں۔ اس کے بعد آپؑ نے رسول کریمؐ کو پیار کیا اور مسکرانے لگیں۔ بعد میں ان سے پوچھا گیا: آپؑ کے اس رونے اور مسکرانے کا راز کیا تھا؟ جواب میں فرمایا: پہلے تو میرے بابا نے مجھے اپنی وفات کی اطلاع دی، جس پر میں رونے لگی۔ اس کے بعد آپؑ نے مجھے مطلع کیا کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے جو ہستی مجھ سے آ کے ملے گی وہ میں (فاطمہؑ) ہوں گی۔ یہ سن کر میں مسکرانے لگی۔

اپنے والدِ گرامی کے فراق میں جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے غم واندوہ کے بارے میں کثیر روایات نقل ہوئی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک روایت میں "کلینیؒ" اصول کافی میں امام جعفر صادق ؑ سے نقل کرتے ہیں کہ: فاطمہ زہراؑ نے رسول کریمؐ کے بعد جو پچھتر (۷۵) دن گزارے، ان میں کبھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ یا ہنسی نہیں دیکھی گئی۔ آپؑ ہفتے میں دو مرتبہ (پیر اور جمعرات کے دن) شہداء کی قبور کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتی تھیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب تک زہراؑ زندہ رہیں وہاں (جاکے) نماز پڑھا کرتی تھیں اور دعا کیا کرتی تھیں۔

ہاں دوستو! حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی پوری حیات اسی طرح بسر کی۔ وہ ایک ایسی انسان تھیں جن کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ اپنے ہر ایک قول اور ایک ایک عمل میں معصوم تھیں اور ہمارے پاس اس کی کئی دلیلیں ہیں:

۱۔ وہ خواتین عالم کی سردار ہیں اور جو ہستی ایسے مقام و مرتبے کی حامل ہو، اس کے کسی قول وعمل میں خطا سرزد نہیں ہوتی۔

۲۔ وہ اہل بیتِ پیغمبرؐ میں شامل ہیں، جن سے خداوند عالم نے ہر قسم کی نجاست کو دُور رکھا ہے اور انہیں پاک و پاکیزہ خلق کیا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿٣٣﴾

"پس اللہ کا ارادہ یہ ہے، اے اہل بیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"[1]

۳۔ فاطمہ زہرا علیہا السلام معصوم ہیں، کیونکہ بچپنے سے لے کر وفات تک ان کی پوری زندگی میں ہم نے کسی ایک بھی باطل قول یا عمل کا مشاہدہ نہیں کیا۔ حضرتِ زہرا علیہا السلام اپنے عزم و ارادے، معنویت و مراقبت اور پروردگارِ عالم کے بے انتہا لطف و فیض کی بنا پر مقام عصمت کی حامل ہیں۔

حضرت زہرا علیہا السلام نے عظیم حوادث کے دوران تمام درد والم برداشت کیے، اپنے پورے وجود کے ساتھ اسلام کی خدمت کی اور اپنی تمام توانائیوں کو اس راہ میں صرف کیا، یہاں تک کہ آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے رات کے وقت دفن کیا جائے اور وہ لوگ میری تشییع جنازہ میں شامل نہ ہوں جنہوں نے حق کا ساتھ نہیں دیا اور اس کی مخالفت کی۔ رات کے اندھیرے میں آپ کی تدفین آپ کی وفات کے بعد آپ کا آخری مبارزہ اور وفات سے قبل آپ کے احتجاجوں کا تسلسل تھا۔ آپ نے خواہش کی کہ آپ کی قبر کو پوشیدہ رکھا جائے تاکہ ان مصائب کی گواہ رہے جو خدا کے لیے، خدا کی راہ میں، رسولِ خداؐ کے ہمراہ آپ نے برداشت کیے۔

یہی وجوہات ہیں جن کی بنا پر فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے عقائد اور رونما ہونے والے عظیم حوادث کے خلاف جدوجہد میں خواتین کی سردار اور ثابت قدم مومنین کے لیے نمونۂ عمل ہیں،

---

[1] سورۂ احزاب ۳۳، آیت ۳۳

جو لوگوں کو یہ پیغام دیتی ہیں کہ راہِ اسلام میں بکثرت کٹھن مراحل تمہارے سامنے آئیں گے، مسلمانوں کے درمیان وحدت و اتحاد کی راہ میں بہت سی مشکلات تمہارے رُوبرو ہوں گی، اسلامی دعوت اور اس کو قوت، عزت اور غلبہ بخشنے کی جدوجہد کے دوران تمہیں بہت سی سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تم پر لازم ہے کہ اپنی تمام فکری اور روحی توانائیوں کے ساتھ کوشاں رہو۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کا پیغام یہ بھی ہے کہ اسلام کے خادم بنو، جیسے کہ میں اسلام کی خدمت گزار رہی، کوشش کرو کہ ہمیشہ کلمۃ اللہ غالب و سربلند ہو اور کلمۃ الشیطان مغلوب و سرنگوں رہے۔ اگر حالات تمہیں اجازت دیں تو دریغ نہ کرو، وحدت واتحاد کو اپنا شیوہ بناؤ، اور تاریخی زخموں، دکھوں اور مسائل کی موجودگی کے باوجود بہت سے مسائل کو اُبھارے بغیر اپنی راہ پر گامزن رہو۔ یہ رویّہ اپناؤ اور جان لو کہ عظیم الشان ہدف ومقصد "اسلام" ہے۔

خدا کا سلام ہو اُن پر، جس روز اُن کی ولادت ہوئی، جس روز انہوں نے وفات پائی اور جس روز وہ زندہ محشور کی جائیں گی۔

سیرتِ فاطمہؑ کے پیغام

کتاب کے آغاز سے لے کر یہاں تک، ہم نے مکتبِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا بہت سے سبق سیکھے ہیں، اور اُن سے بہت سے پیغام اور نصیحتیں حاصل کی ہیں۔ اب سیّدۃ النساء العالمینؑ سے اس ملاقات کے اختتام پر، بجا نظر آتا ہے کہ ہم ان محترم خاتون کی طرف سے دیے گئے مجموعی پیغامات کا جائزہ لیں، تاکہ ہم ان کے حقیقی پیروکار بن سکیں، اور ہماری ان سے محبت سچی ہو جائے۔ کیونکہ محبت ایک عارضی اور جلد گزر جانے والا احساس اور صرف دل کی ایک دھڑکن نہیں ہے، بلکہ سچی وابستگی، درست کردار اور مسلسل جد و جہد سے عبارت ہے۔ یہ اسباق وتعلیمات جن میں سے بہت سی اس کتاب میں دیگر انداز سے ذکر کی جا چکی ہیں، اس عظیم بزرگ ہستی کی سیرت اور زندگی کا ایک خلاصہ شمار ہوتی ہیں۔[۱]

ا۔ آپؑ کا پورا وجود اسلام کے لیے وقف تھا

تمام باایمان مردوں اور عورتوں کے لیے فاطمہ زہراؑ کا پیغام یہ ہے کہ وہ اپنی عقل،

---

[۱] زیرِ نظر مضمون آیت اللہ العظمیٰ سیّد محمد حسین فضل اللہ (قدس سرہ) کی ایک گرانقدر کتاب "الزہراؑ القدوہ" سے لیا گیا ہے، یہ اسی کتاب کی جانب اشارہ ہے۔

روح، جذبات، کاوشوں، قول و فعل الغرض پوری زندگی کو اسلام کے لیے اور اسلام کی راہ میں کام میں لائیں، اسی طرح جیسے خود انہوں نے اپنی پوری زندگی، جو بہت زیادہ نہ تھی، صرف اور صرف اسلام کی راہ میں بسر کی۔ آپ پیغمبرؐ کے ہمراہ اُن کی مددگار تھیں، مشرکوں کی طرف سے انہیں پہنچائی جانے والی اذیت و آزار کے درد آنحضرتؐ کے دل سے کم کرتی تھیں۔ حالانکہ اُس وقت آپ ایک کم سن بچی ہی تھیں، اس کے باوجود پیغمبر اکرمؐ کو اپنی آغوش میں لے کر آپؑ کے غم واندوہ کو کم کرتی تھیں، یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

"فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے۔"

یا جب آپ امیر المومنین علیہ السلام کے ہمراہ، اُن کی سرپرستی میں اور اُن کے گھر میں اُن کی خدمت اور اُن کے بچوں کی تربیت میں مشغول تھیں، تب بھی آپؑ کی زندگی صرف اور صرف اسلام کے لیے تھی، اور آپؑ کی سرگرمیاں صرف اور صرف خدا اور اُس کے رسولؐ کی رضا و خوشنودی کے لیے تھیں۔

ضرورت مندوں کی مدد اور خدا کے دشمنوں سے مقابلے کے موقع پر بھی، آپؑ اسلام کی راہ پر گامزن رہتی تھیں۔ آپؑ کی زندگی، آپؑ کا جسم اور آپؑ کا پورا وجود اسلام کے لیے تھا۔ جی ہاں! یہ ہے فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی آواز، جو ہر کان میں گونجتی ہے کہ اے مسلمانو! اپنے پورے وجود کے ساتھ اسلام کے ساتھ ہو جاؤ اور پیغامِ الٰہی کی سربلندی اور شیطان کی آواز دبانے کے لیے بھرپور کوشش کرو۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہمیں صدا دیتی ہیں کہ اسلام کی پیش رفت کے سلسلے میں بہت سی منزلیں ہماری راہ میں آئیں گی۔ پس اگر ہم منزلِ جہاد پر ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ بہترین طریقے سے جہاد کریں، اگر منزلِ اتحاد پر ہیں، اور فی الحال تاریخ کے تمام دردناک تنازعات سے صرفِ نظر کر لینا اسلام کی مصلحت اور مفاد کا تقاضا سمجھتے ہیں، تو ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ دینِ مقدسِ اسلام کو اپنا عظیم اور اصل مقصد قرار دیں اور تنگ نظری پر مبنی فرقہ واریت اور ہلاکت

کا سبب بننے والی خود پسندیوں کو اپنے قدموں کی زنجیر نہ بننے دیں۔ لوگوں کو خدا اور اُس کے دین کی طرف بلانے کے لیے کوشش کریں، تاکہ اس نے بشریت کے لیے جس دین کو منتخب کیا ہے وہ استوار اور پائیدار ہو جائے، اور آپ کی مدد اور کوششوں کے ذریعے قوت وقدرت حاصل کر لے۔

۲۔ پہلے ہمسائے بعد میں گھر

حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام راتوں کو مناجات کے لیے اپنا بستر چھوڑ دیتی تھیں، اور اپنی دعاؤں کے دوران اپنے سوا ہر ایک کے لیے دعا گو رہتی تھیں۔ ایک دن آپ کے فرزند امام حسن علیہ السلام نے آپ سے اس بارے میں پوچھا، تو آپ نے جواب میں فرمایا:

يَا بُنَيَّ! اَلْجَارَ ثُمَّ الدَّارَ

بیٹا! پہلے ہمسائے بعد میں گھر۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا یہ کلام آپ کی فدا کار روح سے پردہ اٹھاتا ہے۔ فاطمہؑ اپنی مشکلات سے پہلے اور اُن سے زیادہ لوگوں کی مشکلات کے بارے میں فکرمند رہتی تھیں، اور دوسروں کے درد و الم کو اپنے درد و الم پر مقدم رکھتی تھیں، اور اپنی تمناؤں اور آرزوؤں سے زیادہ، دوسروں کی تمناؤں اور آرزوؤں کے بارے میں اہتمام کرتی تھیں۔

انسان اُس وقت خود زندگی کے دکھوں اور مشکلات کا شکار ہونے کے باجود دوسروں کی مشکلات اور سختیوں کے بارے میں سوچ سکتا ہے جب وہ انسانیت اور معنویت کی بلندیوں پر پہنچا ہوا ہو۔ یہ بلند مقاصد اور ارفع تمنائیں رکھنے والے ان تمام انسانوں کا معاملہ ہے جو اپنے آپ کو انسانیت کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ آہ! ایک بلند مقصد اور عظیم آدرش کے لیے اپنے آپ کو تج ڈالنا کس قدر دشوار عمل ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ کے بہت سے بڑے لوگ جب اپنی ذمّے داری اور پیغام کو اپنے مادّی مفادات اور نفسانی شہوات کے حصول کا ذریعہ محسوس کرنے لگتے ہیں، تو پھر باآسانی جادۂ حق سے لڑکھڑا کر گمراہی کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔

اِس کتاب میں ہم نے بارہااس حقیقت کا تذکرہ کیا ہے کہ انسان اپنے پیغام اور مقصد کو کمائی کے ذریعے میں تبدیل کرکے اس گوہر سے محروم ہو جاتا ہے، اور پھر بلند مقصد رکھنے والا ایک انسان باقی نہیں رہتا۔ پس اگر ہم اپنی زندگی کو اپنے عظیم مقاصد کے لیے وقف نہ کردیں، اور ایسے ہی بلند مقاصد رکھنے والوں کے محب نہ رہیں، تو درحقیقت خود اس پاکیزہ فضا سے باہر نکل گئے ہیں۔ اس مرتبے تک پہنچنے کے لیے پہلے ہمیں اپنے آپ کو لوگوں سے محبت کرنے والا بنانا چاہیے، اور اس کے بعد اپنے گرد و پیش موجود لوگوں کی حتی الامکان رہنمائی کرنی چاہیے۔ ایسا شخص جو اپنے دل میں لوگوں کے لیے دشمنی اور عداوت پالتا ہے، وہ کسی صورت ان کے دلوں میں جگہ نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ لوگوں کے دل صرف انسانی مہر و محبت کی کنجی سے کھولے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

أُحْصُدِ الشَّرَّ مِنْ صَدْرِ غَيْرِكَ بِقَلْعِهِ مِنْ صَدْرِكَ [۱]

”لہٰذا شر کے خاتمے کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اسے پہلے خود اپنے دل سے نکال پھینکے۔“

درحقیقت اعلیٰ انسانی اقدار ہمیں ہمیشہ لوگوں کے دکھوں اور دردوں کے ساتھ جینے کی دعوت دیتی ہیں:

عَامِلِ النَّاسَ بِمَا تُحِبُّ اَنْ يُّعَامِلُوكَ۔ [۲] اَحْبِبْ لِاَخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ، وَاكْرَهْ لَهُ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ [۳] لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى

---

[۱] اپنے دل سے شر کو نکال دو، تاکہ اسے دوسروں کے دل سے نکال سکو۔ (نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۱۷۸)

[۲] لوگوں سے اس طرح کا طرزِ عمل رکھو جس طرح کا طرزِ عمل تم ان سے اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ (بحارالانوار، ج ۷۱، ص ۲۲۲)

[۳] جو چیز اپنے لیے پسند کرتے ہو، وہی اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرو اور جس چیز کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو، وہی اپنے بھائی کے لیے بھی ناپسند کرو۔ (بحارالانوار۔ ج ۷۱۔ ص ۲۲۵)

یُحِبَّ [۱] لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔

اس کے باوجود اسلام باہمی اخلاق کے دوران اعلیٰ ترین روشِ اپنانے کی تاکید کرتا ہے، اور وہ یہ کہ ہم اپنے اور دوسروں کے درمیان تعلقات کے دوران اپنے آپ پر دوسروں کو مقدم نہ رکھیں۔ یہ کردار کی کس قدر بلندی اور کیسی ارفع منزل ہے کہ انسان دوسروں کے دکھ درد میں اُن کا شاملِ حال رہے اور اپنے آپ کو بالکل فراموش کر دے، یہاں تک کہ جب ان کی مشکلات مکمل طور پر حل کر دے، تب اپنے آپ کو دیکھے۔ یہ وہی خصوصیت ہے جس نے اہلبیت علیہم السلام کو دوسروں سے ممتاز بنایا تھا:

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ ۔ [۲]

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ۔ [۳]

یہ لوگ صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنے آپ کو نظر انداز کر کے مسکین، یتیم اور اسیر کی مدد کرتے ہیں۔ یہ ہے اہلِ بیتِ پیغمبرؐ کی داستان، جو خدا کے لیے جیتے تھے اور اُسی کی راہ میں جاں نثار کرتے تھے۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی، حضرت علی علیہ السلام نے اپنے قتل کیے جانے کی خبر سنی، تو بلا توقف آنحضرتؐ سے سوال کیا:

"اَفِیْ سَلَامَۃٍ مِنْ دِیْنِیْ؟"

کیا اُس موقع پر میرا دین سلامت ہوگا؟

"فَاَجَابَہُ النَّبِیُّ: بَلٰی!"

---

[۱] تم کسی صورت صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتے جب تک جو چیز اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ (بحار الانوار۔ ج ۶۹۔ ب ۱۱۴۔ ص ۲۵۷۔ ح ۲۰، مستدرک الوسائل۔ ج ۱۲۔ ص ۲۳۵)

[۲] اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں، چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ (سورۂ حشر ۵۹۔ آیت ۹)

[۳] یہ اُس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم صرف اللہ کی مرضی کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں، ورنہ نہ تم سے کوئی بدلا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ (سورۂ دہر، آیت ۷۶)

رسولِ کریمؐ نے جواب دیا: ہاں۔

جب آپ نے پیغمبرِ اکرمؐ کی جانب سے مثبت جواب سنا، تو فرمایا:

"اِذًا لَا اُبَالِیْ اَوَقَعْتُ عَلَی الْمَوْتِ اَوْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَیَّ"

"اگر ایسا ہے، تو مجھے پروا نہیں کہ میں موت پر جا پڑوں یا موت مجھ پر آ پڑے۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ جب ابن ملجم کی شمشیر آپ کے مقدس سر پر پڑی، تو آپ کی پاکیزہ روح سے خوشی سے لبریز یہ صدا بلند ہو کر بارگاہِ الٰہی میں پہنچی:

"بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ"[2]

اور یہ اس حال میں تھا کہ جبکہ آپ کا جسمِ اطہر درد کی شدت اور زخم کی گہرائی کی بنا پر تڑپ رہا تھا۔ آپ کے اس حوصلے، عزم اور استقلال کی وجہ یہ تھی کہ دینِ خدا پر چلنے والے کبھی بھی درد و الم کے مقابل کمزوری اور پست ہمتی کا مظاہرہ نہیں کرتے، اور بارگاہِ الٰہی میں حاضری کی خوشی انہیں تکلیف کے احساس سے دور رکھتی ہے۔

سرور و سالارِ شہیداں امام حسین علیہ السلام کو ان کے دشمنوں کے درمیان دیکھیے، کہ ان کا شیر خوار ان کی آغوش میں سر بریدہ پرندے کی مانند جاں کنی کے عالم میں تھا، اور آپؑ خون ہوتے دل کے ساتھ یہ دہشت ناک منظر دیکھ رہے تھے، اس کے باوجود آپ کی بلند پرواز روح ایک معنوی خوشی اور نشاط میں غرق تھی، اور آپؑ اس حال میں فرماتے تھے:

هَوَّنَ عَلَیَّ مَا نَزَلَ بِیْ اَنَّهٗ بِعَیْنِ اللّٰهِ[3]

---

[1] سیرۃ المصطفیٰؐ۔ ص ۲۵۰

[2] خدا کے نام سے، اُس کی یاد کے ساتھ اور اُس کے پیغمبرؐ کے آئین پر رہتے ہوئے، خدا کی قسم! میں کامیاب ہوا۔ (بحار الانوار۔ ج ۴۲، ص ۲۳۹)

[3] یہ مصیبت میرے لیے آسان ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ (بحار الانوار۔ ج ۴۵۔ ص ۴۶)

"اب جب کہ خداوندِ متعال میرے جہاد اور ایثار و فدا کاری کا گواہ ہے، اور مجھے اپنے بچوں کو قربان گاہ کی طرف روانہ کرتے، اور میرے اپنے جسم کو خون سے لتھڑا ہوا دیکھ رہا ہے، یہ مصائب میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

حضرت فاطمۃ زہرا سلام اللہ علیہا بھی اپنے مکتب اور مدرسے سے ہمیں ایثار و فدا کاری کا درس دیتی ہیں۔ آپؑ اپنی زندگی میں اپنے آپؑ سے پہلے اور زیادہ دوسروں کے بارے میں سوچتی ہیں اور ہمسائے کو اہلِ خانہ پر مقدم قرار دیتی ہیں، تا کہ انسانوں کو یہ سبق دے سکیں کہ وہ اپنے نفس کی قید سے رہائی حاصل کریں، اور حرّیت کی فضا میں زندگی بسر کریں۔ عظیم شیعہ عالم ابن طاوؤس کتاب "اقبال الاعمال" میں بیان کرتے ہیں کہ میں ماہِ رمضان کی تیئسویں شب میں اعمالِ شبِ قدر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے یہ اعمال بہت زیادہ محسوس ہوئے، لہٰذا میں سوچنے لگا کہ ان اعمال میں سے اہم ترین اور بہترین اعمال کا انتخاب کروں۔ پس میں نے دوسرے اعمال کے درمیان میں سے دعا کو اہم ترین اور بہترین پایا۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ اپنے والدین کے لیے دعا کروں، لیکن میرے ذہن میں خیال آیا کہ وہ دونوں مسلمان، باایمان اور نیکوکار تھے، اور اُن کی یہ خصوصیت خدا کے یہاں ان کی شفاعت کا باعث ہوگی۔ پس پھر میں نے سوچا کہ مجھے تمام مسلمانوں کے بارے میں دعا کرنی چاہیے۔ لیکن پھر انہیں بھی میں نے شفاعت اور مغفرتِ الٰہی کا حقدار محسوس کیا، کیونکہ اگر یہ لوگ گناہگار ہوئے تب بھی ان کا ایمان اور اسلام ان کی شفاعت کے لیے آ کر بخشش الٰہی کو ان کے شاملِ حال کر دے گا:

"وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا ۔عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۔ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۔"[1]

اس بنا پر میں نے مناسب سمجھا کہ کافروں، ناشکروں اور گناہگاروں کے بارے میں

---

[1] اور دوسرے وہ لوگ جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، کہ انہوں نے نیک اور بد اعمال مخلوط کر دیے ہیں۔ عنقریب خدا ان کی توبہ قبول کرے گا، کہ وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورۂ توبہ ۹، آیت ۱۰۲)

دعا کروں، کیونکہ ان کا خدا سے کسی قسم کا واسطہ نہیں جو ان کی شفاعت کر سکے۔ لہٰذا مجھے ان پر رحم آیا اور میں نے ان کے لیے دعا کی۔ ابتدا میں، میں نے گمراہوں کی ہدایت کے لیے دعا کی اور خداوندِ عالم سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کی عقلوں کو حقیقت کی طرف کھول دے، اور ان کے قدموں کو راہِ راست کی طرف پھیر دے، کیونکہ ربوبیتِ الٰہی کی مخالفت کا ان کا جرم، خدا شناسوں کے جرم سے کہیں بڑا جرم ہے، اور ان کا خدا سے تعلق بالکل ہی ٹوٹا ہوا ہے۔ اس کے بعد میں نے اہلِ اسلام کے بارے میں اور پھر اس کے بعد اپنے حال اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لیے دعا کی۔ [1] جی ہاں، پوری بشریت سے محبت کرنے والے اور اس کے خیر خواہ ہی ایسے ہوتے ہیں، یعنیٰ اہلبیتؑ کے سچے پیروکار۔

۳۔ زندگی میں استقامت

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کا مطالعہ، انسان کو مختلف مواقع پر استقامت اور سخت ترین حالات میں بھی صبر و ضبط کا درس دیتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا رنج و اندوہ اور بیماری کی تکلیف آپ کو کسی وقت حق کا ساتھ دینے سے باز نہ رکھ سکی۔ پس آپؑ نے پوری قوت کے ساتھ حق کی مدد کی اور اپنی گفتگو، تقریر اور مناظرے کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنے اس جہاد کا دامن اپنی موت کے بعد تک کے لیے دراز کر دیا۔ آپ نے احتضار کے عالم میں حضرت علی علیہ السلام کو وصیت کی کہ مجھے رات کی تاریکی میں دفن کیجیے گا، میری قبر کو چھپا دیجیے گا، تاکہ جن لوگوں نے میرے حق میں ظلم روا رکھا ہے وہ میرے جنازے میں شریک نہ ہو سکیں۔

ہمارے لیے حضرت فاطمہ علیہا السلام کا پیغام یہ ہے کہ ہم انفرادی مشکلات اور اجتماعی بحرانوں کا سامنا کرتے ہوئے، اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمّے داریوں پر عمل سے گریز نہ

---

[1] اقبال الاعمال۔ ج ۱۔ ص ۳۸۴

کریں۔ خود آپؑ نے ہر حال میں اپنے دینی فرائض پر عمل کیا، اور ہمیں یہ سبق دیا کہ گھریلو زندگی، خانگی فرائض اور بچوں کی تربیت کی ذمّے داری کو اس بات کا باعث نہیں بننا چاہیے کہ ہم مسلمانوں کو احکامِ دین کی تعلیم دینے اور معاشرے کے تمام علمی اور فکری میدانوں میں سرگرم موجودگی سے باز رہیں۔

۴۔ عورتوں کی سیاسی سرگرمیوں کا جائز ہونا

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے زمانے کے اسلامی معاشرے میں سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیا، اور ظلم سے مقابلے کے لیے حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ آپؑ نے مہاجر اور انصار خواتین کو آگاہ کرنے کے لیے ان کے مجمع میں خطاب کیا اور ان کے سامنے قرآن اور اسلام کے حقائق بیان کیے اور اپنے اور علی علیہ السلام کے حق کے لیے دلیلیں قائم کیں۔ یہ حقیقت سیاسی میدان میں خواتین کی موجودگی کے شرعی جواز کی نشاندہی کرتی ہے۔ سرگرمی کے ساتھ سیاسی معاملات میں حصہ لینے کی بنیاد آپؑ میں پایا جانے والا احساسِ ذمّے داری اور اسلامی بصیرت تھی۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا وہی پاک خاتون ہیں جن کی رفتار، کردار اور گفتار شریعت کی بنیاد ہے۔ لہٰذا اسلامی معاشرے کے سیاسی میدان میں ان کا حصہ لینا عورتوں کی سیاسی سرگرمیوں کے شرعی جواز پر ایک مضبوط دلیل ہوسکتی ہے۔ قرآنِ کریم بھی اس نکتے کی توثیق کرتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ [1]

---

[1] مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں سب ایک دوسرے کے ولی اور مددگار ہیں، یہ سب ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ (سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۷۱)

اس بات پر کوئی دلیل لانے کی ضرورت نہیں، کہ "معروف" کا مفہوم زندگی کے تمام میدانوں میں، ہر قسم کے عدل اور حق کے مصادیق پر محیط ہے اور "منکر" کے مفہوم میں بھی ظلم اور باطل کے ہر قسم کے مصادیق شامل ہیں۔ "معروف" میں صرف نماز، روزہ، حج اور دیگر عبادات اور اعمالِ صالحہ شامل نہیں ہوتے، اور اسی طرح "منکر" بھی صرف شراب نوشی، یتیم کا مال کھانے اور دوسرے شرعی گناہوں تک محدود نہیں ہوتا۔ معروف اور منکر کے مفاہیم اس قسم کے انفرادی مصادیق سے اوپر اٹھ کر مسلمانوں کے تمام اجتماعی مسائل و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ آیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس فریضے کی ادائیگی کو، اس کے معنیٰ کی تمام تر وسعت کے ساتھ مرد اور زن دونوں پر یکساں طور پر ضروری قرار دیتی ہے۔ امر بالمعروف کا فریضہ جس کا اظہار کبھی ایک مبارز قوت، انقلابی کلام اور ناقابلِ تسلیم قلب کے ساتھ ہوتا ہے، اور نہی عن المنکر کا فریضہ جو مختلف سیاسی، شرعی، اعتقادی اور اجتماعی پہلوؤں سے رونما ہوتا ہے، یہ دونوں یکساں طور پر مرد و زن پر عائد ہوتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے انقلاب کے مقصد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّةِ جَدِّیْ ص اُرِیْدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ"

"میں صرف اپنے جد کی امت کی اصلاح کے لیے نکل رہا ہوں، میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔"[۱]

لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام کا جہاد بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک مصداق تھا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اس جہاد میں مرد و زن ایک دوسرے کے ساتھ شامل تھے۔ اس سے پہلے بھی مکہ اور مدینے میں مومن مردوں اور مومن عورتوں نے رسولِ کریمؐ کی مدد و نصرت کی تھی، اور جہاد اور مبارزے کے ہر میدان میں شانہ بشانہ شریک رہے تھے۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا

[۱] بحار الانوار۔ ج ۴۴۔ ص ۳۲۹

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ، فاطمہ سلام اللہ علیہا علی علیہ السلام کے ساتھ اور زینب سلام اللہ علیہا حسین علیہ السلام کے پہلو بہ پہلو رہی تھیں۔ زینبؑ نے اپنی والدہ فاطمہؑ کے نقشِ قدم کی پیروی کی اور کربلا، پھر کوفہ اور اس کے بعد شام کی منزلیں سَر کیں اور بطریقِ احسن اپنے فریضے پر عمل کیا اور اپنے والدِ گرامی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اِس قول کی عملی تفسیر پیش کی:

"اِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ اِمَامٍ جَائِرٍ"

"ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ عدل کہنا بہترین جہاد ہے۔"[1]

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سیاسی سرگرمیوں کے میدان میں مثالی رہنما ہیں، آپ کی رہبری اور قیادت مبارزے اور باطل اور ظالم نظام کی مخالفت کے دوران اجاگر ہوئی۔ آپ نے مسجد میں خطبہ ارشاد فرمایا، اور مہاجر اور انصار خواتین کے سامنے خطاب کیا، اور اپنی پوری قوت کے ساتھ حق کا دفاع کیا۔ مسلمان خواتین کو چاہیے کہ وہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کو اپنے لیے نمونۂ عمل قرار دیں، اپنا خیال رکھنے، اور اپنے چہرے اور جسم کی آرائش کی وجہ سے اپنے اجتماعی اور سیاسی فرائض سے غفلت نہ برتیں۔

۵۔ عورتوں کی علمی وفکری ذمّے داری

اس سے پہلے ہم پدرِ گرامی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محضرِ درس سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے کسبِ علم کے بارے میں اشارہ کر چکے ہیں، اور یہ بیان کر چکے ہیں کہ آپ اسلامی تاریخ کی پہلی مصنفہ تھیں، آپ کے مہاجر اور انصار عورتوں کو درس دینے کا ذکر کر چکے ہیں۔ پس روشن فکر مسلمان خواتین پر لازم ہے کہ اپنی دینی فکر کی دین کے مختلف معارف کے ذریعے نشو ونما کریں، اور اس کے بعد اپنے آپ کو اسلام کی تبلیغ اور تعارف کے لیے وقف کریں۔ انہیں چاہیے کہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی مانند اپنے شرعی پردے اور دوسرے دینی فرائض اور گھریلو ذمّے داریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے، اپنے فکری اور دینی فرائض پر عمل کریں۔

---

[1] اصول کافی۔ ج ۵، ص ۶۰، ح ۱۶

فاطمۃ الزہراؑ نے اپنے تمام خانگی فرائض پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اپنی فکری ذمّے داریوں کو بھی ادا کیا۔ انہوں نے اپنے بچوں کی عمدہ تربیت کی اور شوہر داری کے حوالے سے بھی اپنی ذمّے داریوں میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ ان کے شوہر علی ابن ابی طالب علیہ السلام وہ دلیر مجاہد تھے جو رسولِ مقبولؐ کے فرمان پر ایک کے بعد دوسری جنگ میں مشغول رہتے تھے، اور زخمی بدن اور خون آلود تلوار کے ساتھ گھر تشریف لاتے تھے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا علی سلام اللہ علیہا کے لباس کو دھوتی تھیں، اُن کے زخموں کا علاج کرتی تھیں، اور اُن کی تلوار صاف کرتی تھیں۔ اس کے باوجود ان فرائض کا سنگین بوجھ انہیں مسلمان خواتین کو تبلیغ، ان کی رہنمائی اور انہیں احکام و تعلیماتِ دین کی تعلیم اور دوسری علمی اور فکری کاوشوں سے دور نہیں رکھتا تھا۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی ہماری خواتین کو یہ سبق دیتی ہے کہ وہ علمی اور فکری ذمّے داریوں کو بھرپور طریقے سے اپنے ذمّے لیں، اور تعلیم و تدریس اور تحریر کے میدانوں میں قدم رکھیں۔ مسلمان عورتوں کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی طرح حتی الامکان علم و دانش حاصل کر کے اسے دوسروں تک پہنچانا چاہیے۔ کیونکہ ہمیں اپنے معاشرے میں مسلمان قلم کار خواتین نظر نہیں آتیں، جبکہ ہماری خواتین غیر معمولی صلاحیتوں اور قوتوں کی مالک ہیں، جن کی نشوونما اسلامی علوم کی پیش رفت اور اسلامی معاشرے کی علمی ترقی میں انتہائی مؤثر اور مفید ثابت ہوگی اور بکثرت علمی آثار وجود میں لانے کا سبب بنے گی۔

ہر ذمّے دار خاتون کو چاہیے کہ وہ اسلامی معاشرے کے مستقبل کے لیے ایک علمی اور فکری منصوبہ ساز کا کردار ادا کرنے کے لیے تیار رہے اور اس منصوبے کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے اپنے آپ کو تیار اور لیس کرے۔ اس موقع پر میں بنت الہدیٰ صدر، اس مجاہد اور شہید خاتون کا ذکر کروں گا، جنہوں نے جب لکھنا شروع کیا تو انتہائی سادہ اور ابتدائی انداز سے اس کا کام آغاز کیا اور کبھی کبھی میں نجف میں ان کی تحریروں کی اصلاح کیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ۱۳۸۰ ہجری قمری میں میرا ایک قصیدہ مجلّے ''الاضواء'' میں شائع ہوا، تو انہوں نے اس

زمین پر کچھ اشعار لکھ کر مجھے ارسال کیے، جو ہر نئے لکھنے والے کی طرح بعض نقائص اور غلطیوں سے خالی نہ تھے، لیکن مسلسل محنت اور مشق کے ذریعے آخر کار وہ اچھے لکھنے والوں کی صف میں شامل ہو گئیں، اورانہوں نے گرانقدر اسلامی نگارشات اپنی میراث کے طور پر چھوڑیں۔ لہٰذا خواتین کو اپنی صلاحیتوں کو کم سمجھتے ہوئے جدو جہد اور کوشش سے رکنا نہیں چاہیے، کیونکہ انسان کوشش اور جد و جہد کے ذریعے اپنے آپ کو کشف (explore) کرتا ہے اور اسے اپنی حقیقی صلاحیتوں کا پتا چلتا ہے۔

اس حصے میں مسلمان خواتین کو ہمارا پیغام یہ ہے کہ وہ علمی، فکری، سیاسی، مجاہدانہ اور ہرقسم کی الٰہی کوششوں کے میدانوں میں سرگرمیوں کا مظاہرہ کریں۔ اور کسی کوشش سے دریغ نہ کریں۔ انہیں اس راہ میں حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو اپنا نمونۂ عمل بنانا چاہیے، کیونکہ وہ پوری زندگی اور تمام شعبہ ہائے حیات کے لیے ایک مقدس قابلِ تقلید شخصیت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نتیجے کے طور پر آپ کا کردار تمام میدانوں میں شرعی دلیل ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ آپ کی زندگی کو نمونۂ عمل بنانے کی طرف گامزن ہوں اور آپ کی زندگی کو ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں، کیونکہ جدو جہد سے بھر پور آپ کی زندگی تمام میدانوں اور شعبہ ہائے حیات میں مشعلِ فروزاں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس طرح خواتین، مردوں کے شانہ بشانہ ارتقائی مراحل طے کریں گی، اور پھر علمی، سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں گوشہ نشین اور غیر مؤثر نہیں رہیں گی۔ کیونکہ خداوندِ عالم باایمان مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر ایک دوسرے کا یاور و مددگار قرار دیتا ہے، اور دونوں پر ایک ہی طرح سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کرتا ہے۔

٦۔ خواتینِ عالم کے لیے حضرت فاطمہؑ کا پیغام

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، خواتینِ عالم سے کہتی ہیں کہ وہ اپنی انسانی حیثیت سے اپنے لیے تحرک اور عمل کا محرک حاصل کریں اور زندگی کی راہ میں اپنی نسوانی حیثیت سے

باہر قدم نہ نکالیں، جس کے نتیجے میں اپنے انسانی گوہر سے محروم ہو جائیں۔ خدا کے ہمراہ اور لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے والی ایک انسان بنیں۔ روحانی، عقلی اور متحرک مفاہیم کا حامل ایک ایسا انسان بنیں جو اپنے ذہن میں مقدس مقاصد رکھتا ہے اور ان ارفع مقاصد کو جامۂ عمل پہنانے کی خاطر ایثار و فداکاری کے جذبات کا حامل ہے۔

اسلام دنیا بھر کی عورتوں اور اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے، حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی نمونۂ عمل شخصیت کا ذکر کرتا ہے کہ یہ فاطمہ سلام اللہ علیہا عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں، جو اپنے نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ انسانی فضائل سے آراستہ ہونے کی بنا پر اس مقام پر پہنچی ہیں۔ پس ان کی جانب دیکھیے تاکہ ان سے سیکھ سکیں کہ کس طرح انسانوں سے محبت کی جاتی ہے، کس طرح اپنے پورے وجود کے ساتھ ان کی مدد کی جاتی ہے، کس طرح اپنی فکری ذمّے داری ادا کی جاتی ہے، اور کس طرح ظلم و ستم، انحراف اور گمراہی کے خلاف جدوجہد کے لیے میدانِ عمل میں اترا جاتا ہے۔ فاطمہؑ کو عبادت، اخلاق، جنگ و جہاد، بخشش و ایثار میں اپنے لیے نمونۂ عمل قرار دیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا جشنِ ولادت اور آپ کی یاد میں منعقد کی جانے والی مجلسِ عزا کو ان کے مقاصد اور آرزوؤں کو زندہ کرنے کا ذریعے ہونا چاہیے۔ وہ مقاصد اور آرزوئیں جن کے بارے میں وہ تمام عمر سوچتی رہیں اور ان کی سمت گامزن رہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی عبادت اور دُعا

حضرت فاطمہؑ کی نگاہ میں عبادت کا مفہوم

جب ہم حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی عبادت گزاری کی رُوح کے حوالے سے غور اور فکر کرتے ہیں، تو یہ ہمیں پروردگارِ عالم کے بارے میں اُن کی جدوجہد اور جوش وخروش کا پتا دیتی ہے۔ آپؑ نے تقربِ الٰہی کے معنی ومفہوم کو بخوبی درک کرلیا تھا اور درگاہِ الٰہی میں تضرع اور زاری کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ لہٰذا آپؑ نے اپنی زندگی روشن ترین معنوی اور روحانی حالات میں بسر کی۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی عبادت روایتی، خشک اور بے روح آداب اور کھوکھلی رسوم تک محدود نہ تھی، بلکہ اخلاص اور معنویت سے لبریز تھی، جس کی بنیاد خدا سے محبت اور اُس کے ساتھ اخلاص کی گہرائیاں ہوا کرتی ہے۔ اِس مقدس فضا میں جتنا جتنا انسان کی عبادت میں اضافہ ہوتا ہے، اُتنا ہی خدا سے اُس کا فاصلہ کم ہوتا چلا جاتا ہے ۔اور جتنا اُس میں خدا کی عظمت کا احساس بڑھتا ہے، اُتنا ہی وہ پہلے سے زیادہ اُس کی نعمتوں کو یاد کیا کرتا ہے اور اُس کے ساتھ اُس کی ہمراہی بڑھتی چلی جاتی ہے، نیز کائنات اور بندگانِ الٰہی کی بہبود کی جانب اس کی توجّہ مزید بڑھ جاتی ہے۔

عبادت کے حوالے سے انسانوں کو دو طرح کے مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ اِن میں سے ایک گروہ تو اپنے قلب اور ذہن میں یادِ خدا کا چراغ بجھا بیٹھا ہے اور پروردگارِ عالم کی عبادت اور اپنی معاشرتی ذمّے داریوں کی ادائیگی کی جانب اس کی توجّہ ختم ہوگئی ہے، اور نتیجتاً وہ عبادتِ الٰہی سے رُوگرداں ہو چکا ہے۔ اس کے مقابل ایک اور گروہ بغیر کسی شعور و آگہی کے خداوندِ عالم کی عبادت کرتا ہے اور اپنی عبادتوں کو روزمرہ عادات کی مانند، کسی روحانی اور معنوی احساس اور خدا سے محبت کے بغیر محدود تصور کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ اِسی بنا پر یہ لوگ ٹھیک طرح سے انسانوں کے ساتھ محبت بھی نہیں سیکھ پاتے، کیونکہ جو شخص اپنے دل میں محبتِ الٰہی کو پروان نہیں چڑھاتا، وہ لوگوں کے ساتھ مہر و محبت میں بھی ناکام رہتا ہے اور جس کسی کے دل میں محبتِ خدا موجود ہوتی ہے، وہ اُس کی مخلوق سے دشمنی نہیں رکھ سکتا۔

حضرت فاطمہؑ کی عبادت کا انداز اور مقدار

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی عبادات کے بارے میں تاریخ اور سیرت کی کتب میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ اُن کی بے مثال عبادت سے پردہ ہٹاتا ہے۔ اِس حوالے سے چند بیانات ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی عبادات کے بارے میں حسن بصری کا کہنا ہے:

"اُمتِ پیغمبرؐ میں سے کوئی بھی عبادت میں فاطمہؑ کی مانند نہیں۔ وہ عبادت کے دوران اِس قدر کھڑی رہتی تھیں کہ اُن کے پیروں پر ورم آجاتا تھا۔" [۱]

۲۔ حسن بصری کے بیان سے بڑھ کر امام حسن علیہ السلام ایک ماجرے کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

"میں نے اُنہیں محرابِ عبادت میں کھڑے دیکھا۔ وہ صبح طلوع ہونے

---

[۱] بحار الانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۸۴، عوالم الزہرا۔ ص ۲۲۴)

تک مسلسل رکوع وسجود کی حالت میں رہیں۔وہ مومنین کے لیے دعا فرماتی تھیں اور اُن میں سے ایک ایک کا نام لے کر اُن کے حق میں دعا کرتی تھیں۔لیکن خود اپنے لیے دعا کا ایک لفظ بھی نوکِ زباں پر نہ لائیں۔ میں نے اُن سے پوچھا: آپ جس طرح دوسروں کے لیے دعا فرماتی ہیں،اُس طرح اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتیں؟ مادرِ گرامی نے فرمایا: بیٹا پہلے ہمسایہ بعد میں اہلِ خانہ۔"[۱]

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا جو تمام تر دشواریوں کے ہمراہ گھر کی، بچوں کی اور اسلام کی نشر و اشاعت کی سنگین ذمّے داریوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھیں، اِن تمام باتوں اور اپنے جسمانی ضعف کے باوجود رات کا ایک حصہ عبادت کے لیے وقف کرتیں اور درگاہِ الٰہی میں اِس قدر عبادت کرتیں کہ آپؑ کے پیر سوج جایا کرتے۔ اِنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں مناجات کے لیے رات کا وقت منتخب کیا تھا کیونکہ رات کے وقت انسان کی روح اپنی محدودیتیں عبور کر کے اپنے معبود اور معشوق کی فضا میں پرواز کرتی ہے۔ وہ مسلسل اُن اوقات کی منتظر رہتی تھیں، جب بارگاہِ الٰہی میں ڈوب جائیں، اپنے آپ کو فنا کر دیں اور اپنے محبوب کے ساتھ ہم کلام ہوں۔ وہ اِس وقت کس کی یاد میں رہتی تھیں،کس کے لیے دعا کرتی تھیں؟

کیا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی ہمارے جیسے بہت سے لوگوں کی طرح اپنی شب و روز کی مناجاتوں میں اپنے لیے دعا گو ہوتی تھیں اور اپنی ذاتی ضروریات کے لیے خدا کے سامنے دستِ دعا بلند کرتی تھیں؟ وہ رات کی قدسیت، اطمینان اور سکون سے، جو انسان کی روح کو اوج و رفعت کی طرف دعوت دیا کرتی ہے، مومن مردوں اور عورتوں کے بارے میں دعا کے لیے استفادہ کرتی تھیں اور اپنے لیے کچھ طلب نہیں کرتیں۔ بیمار مومنین و مومنات، تہی دست افراد، یا مصیبت زدہ مفلوک الحال لوگ، حتیٰ کہ ناشکرے گناہ گار سب ہی حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی دعائے خیر میں شامل ہوتے تھے۔ وہ اِن سب کے لیے خدا سے دعا کرتی

---

[۱] بحارالانوار۔ج ۴۳۔ص ۲۵۳،عوالم الزہراؑ۔ص ۲۲۵

تھیں۔ بیماروں کے لیے شفا، گناہ گاروں کے لیے مغفرت، اسیروں کے لیے آزادی، مرنے والوں کے لیے رحمت، بھوکوں کے لیے شکم سیری اور دسیوں دوسری دعائیں انہیں خود اپنی زندگی سے سختیوں اور مشکلات کے خاتمے کے لیے دعاؤں سے باز رکھتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے فرزند امام حسن علیہ السلام جو زندگی کی مشکلات کے اثرات اُن کے جسم اور روح پر دیکھتے تھے، تعجب کے ساتھ اُن سے پوچھتے ہیں: آپ اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتیں؟ اور اُن کی مادرِ گرامی اُنہیں کتنا خوبصورت جواب دیتی ہیں کہ: "بیٹا! پہلے ہمسایہ، بعد میں اپنا گھر۔"

یہ خصوصیت اہلِ بیت علیہم السلام کے اعلیٰ مقام و منزلت کی علامت ہے۔ وہ لوگ خود اپنے بارے میں سوچنے سے پہلے، دوسروں کے دُکھ درد، اُن کی ضروریات اور اُن کی مشکلات کے بارے میں فکرمند رہتے تھے۔ وہ خدا کی مخلوق اور اُس کے کنبے کے بارے میں سوچتے تھے۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ خدا کا محبوب ترین بندہ وہ ہے جو اُس کی مخلوق کے لیے سب سے زیادہ فائدہ ہو۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کو دیکھیے، جنہوں نے مشرکینِ قریش سے اِس قدر ستم و آزار دیکھے کہ فرمایا:

"مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ" [۱]

اس کے باوجود بارگاہِ الٰہی میں اپنی قوم کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔" [۲]

وہ خدا سے اُن کے لیے مہلت طلب کرتے تھے اور اُس کی درگاہ میں اُن پر نزولِ عذاب میں تاخیر کی دعا فرماتے تھے۔ اُن حالات اور اُن کی ذہنی، نفسیاتی اور معاشرتی حالت کو پیشِ نظر رکھتے تھے اور اُن کے تعصب آمیز ردِ عمل کے لیے اُن کے فکر و ذہن میں جاگزیں جاہلیت کی رسوم و آداب اور نظریات کو قصوروار قرار دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اُن

---

[۱] کسی نبی کو میری طرح اذیت نہیں اٹھانی پڑی۔ (بحارالانوار۔ ج ۳۹۔ ص ۵۶۔ ح ۵)

[۲] بارالہا! میری قوم کو بخش دے، کہ یہ لوگ نادان ہیں۔ (بحارالانوار۔ ج ۹۵۔ ص ۱۶۷۔ ح ۵)

کے یخ بستہ وجود کو اپنے صبر کی گرمی سے پگھلا دیا اور اُنہیں دینِ خدا میں داخل کرلیا۔

آپؐ معاند مشرکین اور منکر کفار کے حال پر انتہائی حسرت اور شفقت کے ساتھ افسوس کیا کرتے تھے، اور نوبت یہاں تک آئی کہ خداوندِ متعال کو قرآنِ مجید کی آیات کے ذریعے آپؐ کی دلجوئی کرنی پڑی:

"فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ"[۱]

اور:

"فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾"[۲]

اور:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا"[۳]

یعنی اے پیغمبرؐ! اُن کی رُوگردانی کی کوئی ذمّے داری آپؐ پر عائد نہیں ہوتی، بلکہ آپؐ کی ذمّے داری تو محض یہ ہے کہ آپؐ اُنہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں، اُنہیں خداوند ِمتعال کے پیغامات پہنچائیں، اور اُن کی روحانی تربیت کریں۔ پس آپؐ اِن امور میں اپنی تمام توانائیاں بروئے کار لائیں، اُن پر اتمامِ حجت کریں اور یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ راہِ ہدایت کی پیروی صرف اُن کے اختیار اور انتخاب سے وابستہ ہے۔ اب اگر خداوند تعالیٰ اُنہیں آپؐ کی جد و جہد کی برکت سے راہِ ہدایت پر لے آئے، تو رحمتِ الٰہی اُن کے شاملِ حال ہوگی، لیکن اگر وہ گمراہی اور شقاوت کا راستہ اختیار کریں، تو آپؐ پر کوئی سرزنش اور ملامت نہیں

---

[۱] خوامخواہ اپنی جان کو اِن کی خاطر غم وافسوس میں نہ گھلاؤ۔ (سورۂ فاطر ۳۵، آیت ۸)

[۲] آپ اِنہیں نصیحت کیا کریں، آپ کا کام بس نصیحت کرنا ہے، آپ اِن پر مسلط نہیں۔ (سورۂ غاشیہ آیات ۲۱، ۲۲)

[۳] ان سے کہیے کہ تمہارے پروردگار کی جانب سے حق تمہارے سامنے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔ (سورۂ کہف ۱۸، آیت ۲۹)

اور وہ لوگ صرف اپنے آپ کو عتاب اور باز پرس کا نشانہ قرار دیں گے۔

حضرت فاطمہؑ کی دُعا اور تسبیحات

ہم نے حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی میں پیش آنے والی تکالیف اور مشکلات سے متعلق حصے میں آپؑ کی تسبیحات کے بارے میں مشہور واقعے کی جانب اشارہ کیا تھا۔ آپؑ تکالیف اور مشکلات کے موقع پر اللہ اکبر، الحمد للہ اور سبحان اللہ کی مدد سے کام لیتیں، اپنی رُوح کو اِن آسمانی اذکار کی طرف متوجّہ کرتیں اور اِن کے توسط سے اِن تمام دکھوں سے نجات حاصل کرتیں۔ تسبیحاتِ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے نام سے معروف ذکر، جس کی پیغمبرؐ نے اُنہیں تعلیم دی تھی، زندگی کے رنج واندوہ میں سکون واطمینان بخشنے والا سب سے بڑا عامل تھا۔ فاطمۃ الزہراؑ نے اِس بابرکت ذکر کو خدمت گار کے وجود پر ترجیح دی اور آپؑ اس کے ذریعے سے ہر انسان کی خدمات سے بے نیازی محسوس کرتی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبرؐ سے اِس ذکر کو سیکھنے کے بعد انہوں نے آپؐ سے عرض کیا:

"میں نے خدا اور اُس کے رسولؐ کی نصیحت کو انتہائی خوشی کے ساتھ قبول کیا ہے۔"

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی دعائیں بھی دوسروں کی دعاؤں سے بہت مختلف تھیں۔ آپؑ بارگاہِ الٰہی میں دعا کے ذریعے اپنے قلب کو اُس کی طرف متوجّہ کرتی تھیں اور اِس طرح زندگی میں آنے والی سختیاں اور دشواریاں برداشت کرنے کی طاقت حاصل کرتی تھیں۔

دعا اور مناجات کے لیے بہترین وقت

طبری نے کتاب "دلائل الامامۃ" میں شیعہ مؤرّخین سے اور اُنہوں نے زید بن علی سے، اُنہوں نے اپنے اجدادِ کرام سے اور اُنہوں نے حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے دعا کے

لیے بہترین وقت کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے:

"میں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی جمعے کے دن ایک خاص وقت میں خدا سے طلبِ خیر کرے، تو اُسے عطا کیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد میں نے اُن سے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! وہ کون سا وقت ہے؟ فرمایا: وہ وقت جب آدھا سورج غروب کی حالت پر آ پہنچے۔" روایت کے ضمن میں نقل ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہر جمعے کے روز اپنے غلام سے فرماتیں: چھت پر چڑھ جاؤ اور جوں ہی آدھا سورج غروب کی حالت میں آ جائے، مجھے بتاؤ تاکہ میں دعا کروں۔" [1]

ہاں، اِس طرح فاطمہ سلام اللہ علیہا استجابتِ دعا کی گھڑیوں کی جستجو میں رہتی تھیں، تاکہ اِن لمحات میں بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں اور اپنے ذہن اور روح کی مکمل توجّہ کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں اُس سے مناجات کریں اور جن چیزوں کو وہ پسند کرتا ہے اُن کے بارے میں اُس سے گفتگو کریں۔ آپؑ خدا سے دعا کے اِن مخصوص اوقات میں اپنے دل میں چھپے راز اُس سے کہتیں اور اپنے وہ درد و غم جو وہ سب سے پوشیدہ رکھتی تھیں اُنہیں اُس کے سامنے کھولتیں۔ آپؑ اپنے ربّ سے مناجات کرتیں اور اُس کی درگاہ سے توسّل کرتیں، کیونکہ آپؑ دعا اور مناجات کو دنیا اور آخرت کی سعادت کا ذریعے سمجھتی تھیں۔

❁❁❁❁

---

[1] دلائل الامامۃ۔ ص ۷۱

ضمیمہ:

حضرت زینب سلام اللہ علیہا...... پاسبانِ کربلا

خداوند بزرگ و برتر کی حمد وسپاس اور سردارِ عظیم الشان آنحضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اُن کے پاکیزہ اہل بیت علیہم السلام کے برگزیدہ اصحاب رضی اللہ عنہ اور تمام انبیائے الٰہی علیہم السلام پر درود و سلام۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی یاد مناتے ہوئے چند اہداف کا حصول ہمارے پیش نظر ہے۔

پہلا ہدف، ان عظیم اسلامی شخصیات کے ساتھ جذباتی رابطہ وتعلق کا برقرار رکھنا جنہوں نے تاریخ اسلام کو تحرّک بخشا اور اسلامی مفاہیم کو گہرائی اور گیرائی دی۔ کیونکہ یہ تاریخ پراثر انداز ہونے والی شخصیات سے قلبی لگاؤ، اُن کی فکر اور اُن کے عمل سے ہمارا تعلق قائم کرتا ہے۔

عقل اور جذبات کا ملاپ، شعور اور احساس کی آمیزش انسان کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ جذبات، فکر کے انسانی وجدان کی گہرائیوں میں اتر جانے کا موجب ہوتے ہیں۔ اور اس کیفیت میں انسان اپنی محبوب اشیاء اور ہستیوں کے بارے میں گہرائی کے ساتھ

سوچ و بچار کرسکتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ جذبات واحساسات انسان پر عقل سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔اسی بناء پر ہماری کوشش رہتی ہے کہ عقل اوراحساس کو آپس میں ملایا جائے،تا کہ عقل رقیق ہوکر وجدان میں سرایت کر جائے اوراحساس اس انداز سے ڈھل جائے کہ افکار و اشخاص کے لیے دل کے دروازے کھول دے۔

نسوانی نمونۂ عمل کی ضرورت

ہمارا دوسرا ہدف یہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں بہت سی ایسی عظیم مثالی خواتین سے بے توجہی برتی گئی ہے جنہوں نے اپنے کرداراورعمل میں اسلامی اقدارکومجسم کر کے دکھایا ہے۔

ہم اسلامی تاریخ میں بہت سے ایسے مردوں کا ذکر پڑھتے ہیں جنہوں نے دعوت و جہاد،علم و دانش اورزندگی کے دیگر میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔طویل تاریخ میں انسانی معاشروں پرمردوں کا غلبہ رہاہے اورعورتوں کو بہت سے ایسے میدانوں میں حاضری کا موقع نہیں ملا، جہاں وہ اپنے فکر وشعور اورسرگرمیوں کا مظاہرہ کرسکتی تھیں،عورت نے ہمیشہ مردوں کے طفیلی کی سی زندگی بسر کی ہے۔

لہٰذاہمیں چاہیے کہ خواتین کے ایسے مثالی کرداروں سے استفادہ کریں اوران کے تذکرے کو زندہ رکھیں جنہوں نے اسلامی اصولوں کے تحفظ کے سلسلے میں ایک تاریخ رقم کی ہےاورجن کی جدوجہداورشخصیت،اسلامی تاریخ کےاوراق میں ثبت ہوئی ہے،تا کہ دورِحاضر کی خواتین کے سامنے ایک مسلمان،مجاہد،شجاع اور باشعورعورت کی تصویر پیش کرسکیں۔اور یوں عصر حاضر کی خواتین جوطرح طرح کے چیلنجوں کے میدان میں قدم رکھ رہی ہیں ، بہت سے منفی اخلاقی اورمعاشرتی حالات کا مقابلہ کرسکیں۔

حضرت زینب علیہاالسلام ،اسلام کی مثالی خواتین کا ایک نمونہ ہیں ۔زینب سلام اللہ علیہا شدید ترین حالات میں میدانِ جہاد میں موجود تھیں اورحق وعدالت کے دشوارترین راستے پر مضبوطی

کے ساتھ جمی رہیں۔

اسلامی اصولوں کے تحفظ کے میدان میں، زینب سلام اللہ علیہا کو مثالی خواتین کی پیش رو کی حیثیت حاصل ہے۔آپؑ تمام انسانوں (مردوں اور عورتوں دونوں) کے لیے نمونۂ عمل ہیں۔ یہ بات ہم اس بنیاد پر کہہ رہے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید صالح خاتون کو تمام صالح مردوں اور عورتوں کے لیے نمونہ قرار دیتا ہے۔لہٰذا جب (مردوں ہی کی مانند) ایک عورت بھی معنوی اور اخلاقی اقدار(values) کا پیکر بن جائے ،تو وہ بھی دائمی اقدار کا ایک عنصر بن جاتی ہے اور مرد وزن دونوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے اپنا نمونہ اور ماڈل قرار دیں۔

کربلا ایک مثالی جہاد

تیسرا مقصد جو حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا ذکر کرتے ہوئے ہم پیش نظر رکھ سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کربلا یا ولولہ انگیز عظیم الشان حسینی جہاد کے اندر تمام انسانی نمونے جمع ہیں۔اس معرکے میں ستّر برس کے بوڑھے کے ساتھ ساتھ بیس برس کا جوان اور کم سن بچہ بھی شامل ہے اور مردوں کے شانہ بشانہ عورتیں بھی نمایاں ہیں۔

اس عظیم میدانِ جہاد میں ایک طرف رنج والم، غم واندوہ کے مناظر ہیں تو دوسری طرف رزم آرائی اور شجاعت کے مظاہرے۔

ان مثالی کرداروں کو اندوہناک رنج والم کا سامنا کرتے ہوئے بھی دیکھا جا سکتا ہے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے بھی۔ان دو پہلوؤں کے ملاپ نے کربلا کو مبارزے، تحریک اور انقلاب کا ماڈل بنا دیا ہے۔

اس معرکے کے مثالی کرداروں میں جو تنوّع پایا جاتا ہے،یعنی جہاد کرتے ہوئے بچوں، دادِ شجاعت دیتے ہوئے جوانوں، میدانِ نبرد کی اگلی صفوں میں شمشیر زن بوڑھوں، ولولہ

انگیز اور دندان شکن خطاب کرتی،کبھی اشک بہاتی،کبھی حوصلہ دیتی اورتقویت پہنچاتی ہوئی خواتین،ان سب نے تحریک کوایک رنگا رنگ مجموعہ بنا دیا ہےجس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں کسی اورجگہ دکھائی نہیں دیتی۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے کردار کے متعلق جان کر ہم جہاد اور مبارزے کے میدان میں ایک صالح مسلمان عورت کے کردار سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ایسی عورت جس نے جہاداورمبارزے کےمیدان میں رنج ومصائب کا بارِگراں اپنے کاندھوں پراٹھایا،کربلا کے بعدبھی جہادکو جاری رکھااوراس سانحے کا سبب بننے والوں سےخطاب کا بےمثل موقع حاصل کیا۔حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے سفر میں ہم جگہ جگہ اُن کے خطبات کودیکھتے ہیں۔ان میں سے اہم ترین خطبہ آپؑ کا اہلِ کوفہ سے خطاب ہے۔

حادثۂ کربلا کے بعد،باقی ماندہ افرادکوقیدی بنالیا گیا۔ایسی قید اسلام میں پہلے کہیں نظرنہیں آتی۔اس عظیم جرم کی پیروی دوسرے ظالم حکمرانوں نےبھی کی۔

ہم جانتے ہیں کہ جن جنگوں میں مسلمان حصّہ لیتے تھے،وہاں صرف غیرمسلم مردوں اورعورتوں کواسیرکیا جاتا تھا۔کیونکہ اسلامی تاریخ میں (واقعۂ کربلا سے پہلے) کبھی نہ ہوا تھا کہ دورانِ جنگ کسی مسلمان نےکسی مسلمان عورت کوقیدی بنایا ہو۔اس وقت بھی جبکہ حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل میں کامیاب ہوئے،آپؑ نے حضرت عائشہ کے تمام اقدامات کے باوجود،انہیں مکمل احترام کے ساتھ،عورتوں کے ایک گروہ کی معیت میں مدینے روانہ کیا۔کربلا سے پہلے وقوع پذیرہونے والےکسی بھی تاریخی مرحلے میں ایسانہیں ہوا تھا کہ عورتوں کوقیدی بنا یا گیاہو،چہ جائے کہ اہلِ بیتِ رسولؐ کے مردوں،عورتوں اوربچوں کوقیدی بنایا جائے۔

خاندانِ پیغمبرؐ کوقیدی بنانے کاعمل،جوپہلی مرتبہ یزیداورابن زیاد کے ہاتھوں انجام پایا،ایک ایسا جرم ہےجس کی کوئی نظیراسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔یہ ایک ایسا عظیم گناہ ہے جو بنی امیہ کی حکومت کے ماتھے پر لگے بدنامی کے داغوں میں سےایک نمایاں داغ ہے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا بنی ہاشم کی تمام خواتین اور انصار کی بعض عورتوں کے ہمراہ قیدی بنائی گئیں۔ اسیروں کے اس قافلے میں امام علی ابن الحسین علیہ السلام بھی موجود تھے۔ اس قافلے کو شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ یہ قافلہ جس شہر میں داخل ہوتا، لوگ جوق در جوق ان کا تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے۔

ہم اگر یہ بات پیش نظر رکھیں کہ یہ قافلہ اس حالت میں شہر بہ شہر پھرایا گیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہداء کے سر ہائے مقدس عورتوں اور بچوں کے آگے آگے لے جائے جاتے تھے، تو اس سے اُمویوں کے جرم کی انتہا ہم پر واضح ہو سکتی ہے۔

کوفے میں جہادی موقف

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے رنج و مصیبت سے بھرے اس سفر میں تمام مشکلات کو اپنی ذات میں سمیٹا ہوا تھا۔ آپؑ اسیر ہونے کے باوجود تمام قیدی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کی ذمّے دار تھیں۔

یہ قافلہ جب کوفہ پہنچا تو اس کی سالار "حضرتِ زینبؑ" حالات کی لگام اپنے ہاتھ میں لیتی ہیں۔ وہ خود اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتی ہیں، اور جب کبھی کسی بچے کو اپنی شفقت سے سیراب کرنا چاہتی ہیں یا کسی داغ دیدہ خاتون کے بہتے ہوئے اشکوں کو روکنا چاہتی ہیں تو اپنے لبوں پر مسکراہٹ سجا لیتی ہیں۔

زینب سلام اللہ علیہا کوفہ پہنچتی ہیں، پہلی مرتبہ ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوتی ہیں (جیسا کہ سیرت لکھنے والوں نے لکھا ہے) اپنے آپؑ کو چھپاتی ہیں۔ ابن زیاد ان کی سمت اشارہ کر کے پوچھتا ہے:

"یہ عورت کون ہے؟"

اسے بتایا جاتا ہے:

"یہ زینب بنتِ علیؑ ہیں۔"

ابن زیاد اپنے نسب کی طرف سے احساسِ کمتری کا شکار تھا۔لوگ اس کے نسب (اور اس کی ولدیت کے بارے میں)طرح طرح کی باتیں کہتے تھے۔اس نے جس ماحول میں تربیت پائی تھی، وہ بھی اس کی عزت و آبرو بڑھانے کا سبب نہ بنا تھا۔اب جب وہ اس زمانے کی مقدس ترین شخصیت (یعنی دختر رسولؐ حضرت فاطمہؑ کے فرزند حسین ابن علیؑ جنہیں رسولِ کریمؐ انتہائی عزیز رکھتے تھے اور انہیں اور ان کے بھائی حسنؑ کو جوانانِ جنت کے سردار کا خطاب آپؐ نے دیا تھا) پر فتح حاصل کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اپنی پستی، حقارت اور کمینگی کا مظاہرہ کرے۔

اس کے سامنے زینبؑ کھڑی ہیں۔

زینب سلام اللہ علیہا جواب جہادِ کربلا میں حسین علیہ السلام کی جانشین ہیں۔

ابن زیاد حسد آمیز اور نفرت انگیز جملے زبان سے ادا کرتا ہے اور کہتا ہے:

"خدا کا شکر کہ اس نے تمہیں رسوا کیا، قتل کیا اور تمہارے افسانے کو باطل کیا۔"[۱]

زینب سلام اللہ علیہا ابن زیاد کو کیا جواب دیں؟ وہ ایک مثالی انسان کا نمونہ ہیں جو اپنے دشمن تک سے اس انداز میں گفتگو کرتی ہیں، جس کی تعلیم قرآن مجید دیتا ہے:

"وَقُلْ لِعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ"۔

"اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ صرف اچھی باتیں کیا کریں۔"[۲]

آپؑ بہترین انداز سے گفتگو فرماتی ہیں۔آپؑ ابن زیاد کے سامنے نبوت کے گہوارے اپنے خاندان اور نسب کی عظمت اور سربلندی کا ذکر کرتی ہیں۔فرماتی ہیں:

---

[۱] بحار الانوار، جلد ۴۵، ص ۱۱۷، باب ۳۹، روایت ۱

[۲] سورۂ بنی اسرائیل ۱۷۔آیت ۵۳

"خدا کا شکر کہ جس نے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہمیں محترم قرار دیا۔"[۱]

پھر اپنے نسب کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"اور ہمیں نجاستوں سے پاک کیا۔"[۲]

اس جملے کے ذریعے حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے ابن زیاد کے نسب کی نجاست کی جانب اشارہ کیا اور اس کا موازنہ اہل بیت علیہم السلام کی طہارت سے کیا۔ گویا کہنا چاہتی ہیں کہ تعجب ہے کہ پست اور پلید انسان اس پاک و پاکیزہ ہستی سے ہم کلام ہے، جس سے اس کے خاندان کو خدا کی عطا کردہ طہارت کا فیض جاری ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

"خدا صرف فاسق کو رسوا کرتا ہے اور فاجر کو جھٹلاتا ہے اور یہ دونوں خصوصیات ہم میں نہیں ہیں۔"[۳]

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے مہذبانہ انداز میں لیکن شدید ترین لہجے میں ابن زیاد کو جواب دیا۔ ابن زیاد اور اردگرد موجود لوگ بھی حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے کلام میں چھپے مفہوم کو خوب اچھی طرح سمجھ رہے تھے اور جانتے تھے کہ دراصل زینب سلام اللہ علیہا یہ کہنا چاہتی ہیں کہ تُو فاسق ہے، جھوٹا ہے اور ہم اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں خدا نے پاک و پاکیزہ قرار دیا ہے اور جن کے قریب دروغ اور فسق کے پھٹکنے تک کا امکان نہیں۔

ابن زیاد، جس کی گفتگو نے اب تک اس کے دل کی بھڑاس نہیں نکالی تھی، ابھی تک اس کا غبار دل ہی میں تھا' اور اس میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی، وہ پوچھتا ہے:

"تم نے اپنے بھائی اور اپنے گھرانے کے ساتھ خدا کے سلوک کو کیسا پایا؟"

---

[۱] بحار الانوار، جلد ۴۵، ص ۱۱۷، باب ۳۹، روایت ۱

[۲] بحار الانوار، جلد ۴۵، ص ۱۱۷، باب ۳۹، روایت ۱

[۳] سابق حوالہ

ان الفاظ کے ذریعے ابن زیاد اس معاملے کو خدا کی طرف منسوب کرنا چاہتا تھا۔ گویا یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس نے ان بہترین، پاکیزہ، مخلص اور برگزیدہ بندوں کو خدا کی نمائندگی کرتے ہوئے قتل کیا ہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا جواب دیتی ہیں:

"ہم نے تو خدا سے اچھائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اس گروہ کے لیے خدا نے شہادت کا درجہ مقرر کر دیا تھا۔ پس وہ اپنی اپنی خوابگاہوں کی طرف سدھار گئے۔"[۱]

یعنی ان کی شہادت، ایسی اجل تھی جسے خدا نے اپنی سنّت کی بنیاد پر ان کے لیے لکھ دیا تھا، اس میں خدا کی طرف سے سزا اور اُس کے غضب کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس دنیاوی زندگی میں خدا کا طریقہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اپنے حالات کے تقاضوں کے تحت اس اجل (موت) کا استقبال کرتا ہے جو اس کے لیے مقرر کر دی گئی ہے۔

مزید فرمایا:

"اور بہت جلد خدا تجھے اور انہیں مواخذے (حساب) کے لیے اکٹھا کرے گا اور سوال و جواب ہوگا۔ پھر تو دیکھے گا کہ اُس دن کسے فتح ہوتی ہے۔ اے مرجانہ کے بیٹے! تیری ماں تیرے غم میں روئے۔"[۲]

یہ سن کر ابن زیاد اس قدر سیخ پا ہوا کہ چاہتا تھا کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو قتل کر دے لیکن وہاں موجود لوگوں کی مداخلت پر اپنے ارادے سے باز آیا اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی طرف رخ کر کے بولا:

"خدا نے تمہارے سرکردہ افراد اور تمہارے خاندان کے سرکش لوگوں کے قتل سے میرے دل کو آرام بخشا ہے۔"

---

[۱] بحار الانوار۔ ج ۴۵۔ ص ۱۱۲۔ باب ۳۹۔ روایت ۱

[۲] مقتل المقرم۔ ص ۳۲۴۔ ولواعج الاشجان۔ ص ۱۶۰

ابن زیاد کی یہ بات سن کر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا دل بھر آیا اور آپؑ کے مقدس جذبات جوش میں آ گئے، آپؑ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اور آپؑ نے ابن زیاد سے کہا:

"تُو نے ہمارے سردار کو قتل کیا، ہماری جڑ اور شاخ کو کاٹ ڈالا۔ اگر تیرے دل کا آرام اسی میں تھا تو تجھے آرام مل گیا ہے۔"[1]

دربار ابن زیاد میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا شجاعانہ موقف، ایک ایسی خاتون کی روح کی عظمت و بزرگی کا آئینہ دار ہے جو دشمن سے ذرا خوفزدہ نہیں اور جانتی ہے کہ کس طرح اس سے بات کرنی ہے، کس مقام پر اپنے جذبات و احساسات سے کام لینا ہے اور کس طرح اپنے دشمن کے کلام کا مہذبانہ اور باوقار انداز میں لیکن دندان شکن جواب دینا ہے۔ آپؑ نے اس گفتگو کے دوران اپنے وقار، متانت اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپؑ ایک ایسی مثالی مسلمان خاتون کا نمونہ ہیں جو اپنے زمانے کے طاغوت کے مقابل کھڑی ہوتی ہیں اور اس کی سرکشی کے سامنے نہ صرف سر نہیں جھکاتیں بلکہ اس سے ٹکر لیتی ہیں۔

اس مجلس کے بعد، حضرت زینب سلام اللہ علیہا اہلِ کوفہ کے مجمع میں جاتی ہیں، تا کہ انہیں ملامت کریں، اور ان کے جرم کی اہمیت (ان میں خواہ وہ لوگ ہوں جنہوں نے جنگ میں یزید کا ساتھ دیا تھا چاہے وہ ہوں جنہوں نے اہلِ بیتؑ کی مدد سے گریز کیا تھا) ان کے سامنے عیاں کریں۔

سیرت نویسوں نے لکھا ہے کہ تمام اہل کوفہ رو رہے تھے لیکن حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا نے ان کے گریہ و بکا پر کوئی توجّہ نہ دی کیونکہ انہیں ان کے گریے کی تہہ میں غم و اندوہ کی پاکیزگی نظر نہیں آ رہی تھی بلکہ ان کے اس گریے سے صرف اپنے نفس کی ملامت ظاہر ہو رہی تھی، جو زیادہ عرصے تک ضمیر میں دبی نہیں رہتی۔

---

[1] بحار الانوار۔ ج ۴۵۔ ص ۱۱۶۔ باب ۳۹۔ روایت ۱

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے کردار کا عروج ہم شام میں اور بالخصوص مجلس یزید میں دیکھتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں یزید اپنے تخت پر براجمان ابن زبعری کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا:

لَيْتَ اَشْيَاخِيْ بِبَدْرٍ شَهِدُوْا جَزَعَ الْخَزْرَجِ مِنْ وَقْعِ الْاَسَل
لَاَهَلُّوْا وَ اسْتَهَلُّوْا فَرَحًا ثُمَّ قَالُوْا يَا يَزِيْدُ لَا تُشَلُّ

"کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ دیکھتے کہ اہل خزرج کس طرح ہمارے نیزوں کے زخم سے آہ وزاری کر رہے ہیں، تو خوشی ان کے چہروں سے پھوٹی پڑ رہی ہوتی اور کہتے کہ اے یزید: تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں۔"[1]

اس طرح یزید، خاندان پیغمبرؐ کے غم و اندوہ اور ان کی مصیبت والم پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

زینب سلام اللہ علیہا اس حسّاس موقع پر اپنے آپ کو ایک اور مبارزے کے لیے تیار کرتی ہیں۔ وہ اہلِ مجلس پر واضح کر دیتی ہیں کہ وہ قرآنی مدرسے کی تربیت یافتہ ہیں۔ وہ ہمیں سکھاتی ہیں کہ ہر حالت میں (خواہ وہ جنگ و جہاد کی حالت ہو یا دعوت وتبلیغ کا محل) کلامِ خدا کو اپنی منطق، اصول اور فصل الخطاب قرار دیں۔ کیونکہ یہی کتابِ حق ہے جس میں باطل کا گزر نہیں اور ایسی حقیقت ہے جس کی کسوٹی پر ہر کلام کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اور زمانہ کتنا ہی بدل کیوں نہ جائے، کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے، اور تہذیبوں میں کتنا ہی تنوّع کیوں نہ پیدا ہو جائے، اس کے باوجود قرآن مجید اسی طرح تہذیب، فکر اور تحریک کا گوہر اصلی رہے گا۔ یہ وہ درس ہے جو ہم حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے حاصل کر سکتے ہیں، اُن زینب سلام اللہ علیہا سے جنہوں نے یزید کے سامنے قرآنی منطق سے کلام فرمایا۔

---

[1] لہوف۔ص ۲۱۴، ولواعج الاشجان۔ص ۱۷۳

اہل بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قیدی بنانے پر اعتراض

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے خطبے کے پہلے حصّے میں خاندان پیغمبرؐ کو قیدی بنا نے کے، یزید کے قبیح عمل پر یوں اعتراض کیا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَآلِهٖ اَجْمَعِيْنَ ـ صَدَقَ اللّٰهُ اِذْ يَقُوْلُ "ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ۝۱۰ [1]

"حمد و سپاس ربّ العالمین کے لیے ہے، پیغمبرؐ اور ان کے تمام اہل بیتؑ پر درود و سلام ۔اللہ ربّ العزت نے سچ فرمایا ہے: پھر برائی کرنے والوں کا انجام برا ہوا کہ انہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلا یا اور برابر ان کا مذاق اُڑاتے رہے۔"

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اس آیت کے ذریعے یزید کو مخاطب کیا تا کہ اسے بتا دیں کہ اس نے آیاتِ قرآنی سے برا سلوک کیا ہے اور اپنے عمل سے آیاتِ خدا کو جھٹلا یا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا ہے۔

آیاتِ قرآنی کا مذاق اُڑانے کی کئی صورتیں ہیں ۔کبھی قرآنی الفاظ و مفاہیم کی تضحیک کر کے اور کبھی قرآنِ ناطق اور سراپا قرآن افراد کے استہزا کے ذریعے یہ عملِ بدانجام دیا جاتا ہے۔

آپؑ نے مزید فرمایا:

"اَظَنَنْتَ يَا يَزِيْدُ حَيْثُ اَخَذْتَ عَلَيْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ وَآفَاقَ السَّمَاءِ فَاَصْبَحْنَا نُسَاقُ كَمَا تُسَاقُ الْاُسَرَاءُ اَنَّ بِنَا عَلَى اللّٰهِ هَوَانًا وَ

---

[1] سورۂ روم ۳۰۔ آیت ۱۰

بِكَ عَلَى اللهِ كَآبة [كَرَامَةً] فَشَمَخْتَ بِأَنْفِكَ وَ نَظَرْتَ اِلٰى عِطْفِكَ حِيْنَ رَاَيْتَ الدُّنْيَا مُسْتَوْثِقًا [مُسْتَوْثَقَةً] حِيْنَ صَفَا لَكَ مُلْكُنَا وَ سُلْطَانُنَا فَمَهْلًا مَهْلًا۔"[1]

"اے یزید! زمین و آسمان کو ہمارے اُوپر تنگ کر کے اور ہمیں قیدیوں کی طرح در بدر پھرا کے کیا تُو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم خدا کے نزدیک ذلیل و رسوا ہو گئے ہیں اور تُو معزّز اور مکرّم ہو گیا ہے اور اسی لیے غرور سے دیکھتا اور تکبّر کے ساتھ چلتا پھرتا ہے اور اپنی حکومت اور معاملات کو حسبِ مراد دیکھ کر آپے سے باہر ہوا جاتا ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے، تو ٹھہر اور چند دن توقف کر۔"

کون سی کامیابی......؟

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے یزید سے کہا:

تُو سمجھتا ہے کہ دنیاوی معاملات پر تسلط حقیقی کامیابی ہے اور ایسا ہی فاتح خدا کے نزدیک مکرّم، محترم، محبوب اور اُس کا پسندیدہ ہے؟ اور ایسی ہستی جو حالاتِ زمانہ اور مختلف معاشرتی اسباب کی بنا پر کامیابی حاصل نہیں کرسکی ہے، وہ خدا کے نزدیک حقیر اور بے توقیر ہے؟ تیرا یہ گمان باطل ہے۔

کیونکہ قرآنِ کریم کی بعض آیات ایسے لوگوں کے بارے میں ہیں جنہیں خدا طویل مہلت دیتا ہے تاکہ ان کا امتحان لے اور جو کچھ ان کے باطن میں ہے، وہ اسے ظاہر کر دیں اور اس طرح خدا ان پر حجت تمام کر دے اور انہیں جتا دے کہ اس نے انہیں راہِ راست پر آنے کے لیے تمام امکانات فراہم کیے، انتہائی مواقع دیئے، لیکن انہوں نے ان مواقع اور امکانات کو ضلالت، گمراہی اور فساد کے راستے میں استعمال کیا:

---

[1] لہوف۔ص ۲۱۵، ولواعج الاشجان۔ص ۱۷۴

"وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۔"

"اور خبر دار! یہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں جس قدر مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں کوئی بھلائی ہے، ہم تو یہ مہلت انہیں صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ وہ جتنا اپنے گناہوں میں اضافہ کر سکیں کر لیں۔"[۱]

حضرت زینب سلام اللہ علیہا یزید سے کہنا چاہتی ہیں کہ خدا نے تجھے مہلت دی ہے تا کہ تیرے اسلام (جس پر تیرا عقیدہ نہیں) اور تیری انسانیت کو آزمائے اور تُو نے انہی لوگوں کی طرح (جن کی رسّی دراز ہوئی تو انہوں نے اپنے گناہوں میں اضافہ کیا اور دردناک عذاب جن کے انتظار میں ہے) اپنے آپ کو برباد کرلیا ہے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے خاندان ابوسفیان کی اس ذلت و خواری کا ذکر کیا جو انہیں رسول اللہؐ کے مقابل اٹھانی پڑی تھی اور یزید کو "اِبْنُ الطُّلَقَاءِ" (آزاد کردہ لوگوں کی اولاد) کی کنیت سے مخاطب کیا اور جتا دیا کہ تُو ان لوگوں کی اولاد ہے کہ جب وہ فتح مکہ کے بعد میرے جد (رسول اللہؐ) کی خدمت میں آئے تو آنحضرتؐ نے ان سے سوال کیا:

"مَا تَرَوْنِيْ فَاعِلًا بِكُمْ"

"تمھیں کیا توقع ہے، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟"

ان لوگوں نے جواب دیا:

"اَخٌ كَرِيْمٌ وَ ابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ"

"تم ہمارے مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے بیٹے ہو۔"

پیغمبر اسلامؐ جن کی رُوح رسالت کے دلآویز عطر سے لبریز تھی، انہوں نے چاہا کہ

---

[۱] سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۱۷۸

انہیں رسالت اور انسانیت کی عفوودرگزر سے آشنا کریں اور اپنے عظیم الشّان اَخلاق سے انہیں رُوشناس کرائیں ۔لہٰذا آپؐ نے فرمایا:

"اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ"

"جاؤ چلے جاؤ،تم آزاد ہو۔"

اس عمل سے پیغمبرؐ نے انہیں سمجھایا کہ ان کے ماحول میں دشمن سے دشمنی کا رواج تھا،آپؐ نے انہیں آزاد کرکے ایک نئے تجربے سے آشنا کیا،ایک نئے رواج کی بنیاد رکھی ،انہیں دعوت دی کہ وہ کفرونافرمانی کا دور گزارنے کے بعد اب ایمان اور اطاعت الٰہی کا تجربہ کریں۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

اَ مِنَ الْعَدْلِ يَا ابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيْرُكَ حَرَائِرَكَ وَ اِمَاءَكَ وَ سَوْقُكَ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللهِ سَبَايَا قَدْ هَتَكْتَ سُتُوْرَهُنَّ وَ اَبْدَيْتَ وُجُوْهَهُنَّ تَحْدُوْ بِهِنَّ الْاَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ اِلٰى بَلَدٍ وَ تَسْتَشْرِفُهُنَّ الْمَنَاقِلُ وَ يَتَبَرَّزْنَ لِاَهْلِ الْمَنَاهِلِ وَ يَتَصَفَّحُ وُجُوْهَهُنَّ الْقَرِيْبُ وَ الْبَعِيْدُ وَ الْغَائِبُ وَ الشَّهِيْدُ وَ الشَّرِيْفُ وَ الْوَضِيْعُ وَ الدَّنِيُّ وَ الرَّفِيْعُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ وَ لَا مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ عُتُوًّا مِنْكَ عَلَى اللهِ وَ جُحُوْدًا لِرَسُوْلِ اللهِ وَ دَفْعًا لِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللهِ- وَ لَا غَرْوَ مِنْكَ وَ لَا عَجَبَ مِنْ فِعْلِكَ وَ اَنّٰى تُرْتَجٰى مُرَاقَبَةُ مَنْ لَفَظَ فُوْهُ اَكْبَادَ الشُّهَدَاءِ وَ نَبَتَ لَحْمُهُ بِدِمَاءِ السُّعَدَاءِ"

"اے آزاد کردہ لوگوں کی اولاد! کیا یہ انصاف ہے کہ تُو اپنی بیٹیوں اور کنیزوں کوتو پردوں کے پیچھے بٹھائے اور دخترانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدیوں کی طرح

در بدر پھرائے اور ان کی توہین کرے اور ان کے چہرے بے پردہ کرے اور دشمن انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرائیں تاکہ شہروں اور دیہاتوں کے اچھے بُرے لوگ ان کا نظارہ کریں اور دُور اور قریب سے انہیں دیکھیں اور ان کے ہمراہ ایک بھی مرد اور کوئی نگہبان نہ ہو۔ تیرا یہ عمل خدا سے سرکشی، رسولِ خداؐ کا انکار اور آیاتِ الٰہی کو مسترد کرنا ہے۔ البتہ تُو، تو ان لوگوں کی اولاد ہے جنہوں نے شہیدوں کے جگر چبائے ہیں، تجھ سے ایسے عمل کا سرزد ہونا باعث تعجب نہیں۔ اور تیرے جیسے کسی شخص سے رحم کی توقع کی بھی نہیں جا سکتی، تُو ان لوگوں کی اولاد ہے جن کے گوشت پاک و پاکیزہ لوگوں کے خون سے تیار ہوئے ہیں۔"[۱]

زینب سلام اللہ علیہا ان کلمات کے ذریعے ابوسفیان کی بیوی ہند جگر خوار کے قصے کو یاد دلاتی ہیں، اور یزید کے اجداد کی تاریخ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جن کے ایما پر اسلام کے خلاف جنگیں لڑی گئیں اور جنہوں نے بہت سے اصحابِ رسولؐ کو خاک و خون میں نہلایا۔

آپؑ مزید فرماتی ہیں:

"وَ كَيْفَ يَسْتَبْطِئُ فِيْ بُغْضِنَا اَهْلَ الْبَيْتِ مَنْ نَظَرَ اِلَيْنَا بِالشَّنَفِ وَ الشَّنَآنِ وَ الْاِحَنِ وَ الْاَضْغَانِ ثُمَّ تَقُوْلُ غَيْرَ مُتَاَثِّمٍ وَ لَا مُسْتَعْظِمٍ۔

وَ اَهَلُّوْا وَ اسْتَهَلُّوْا فَرَحًا ثُمَّ قَالُوْا يَا يَزِيْدُ لَا تُشَلُّ مُنْتَحِيًا عَلٰى ثَنَايَا اَبِيْ عَبْدِ اللهِ سَيِّدِ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ تَنْكُتُهَا بِمِخْصَرَتِكَ وَ كَيْفَ لَا تَقُوْلُ ذٰلِكَ وَ قَدْ نَكَأْتَ الْقَرْحَةَ وَ اسْتَاْصَلْتَ الشَّافَةَ بِاِرَاقَتِكَ دِمَاءَ ذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ نُجُوْمِ الْاَرْضِ مِنْ آلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ تَهْتِفُ بِاَشْيَاخِكَ..."

---

[۱] لہوف۔ ص ۲۱۵، ۲۱۶۔ ولواعج الاشجان ص ۱۷۴، ۱۷۵

”ایسا شخص ہم اہل بیت کے ساتھ بغض وعداوت میں کس طرح کوتا ہی برت سکتا ہے جو ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہو، اور جسے اس کی گزشتہ زندگی کی یادیں ہم سے انتقام لینے پر ابھارتی ہوں؟ تُو کس قدر ڈھٹائی اور بے شرمی سے کہہ رہا ہے کہ اے کاش! جنگِ بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ زندہ ہوتے اور دیکھتے اور خوش ہوتے۔ اور بے حیائی کے ساتھ ابوعبداللہؑ کے دانتوں پر چھڑی مارتا ہے۔

”تُو کیوں ایسا نہ کرے؟ جبکہ تُو نے حضرت محمدؐ کے پاکیزہ گھرانے، خاندانِ عبدالمطلبؑ میں سے زمین کے ستاروں کا خون بہا کر ہمارے زخموں پر نمک چھڑکا ہے اور اس پاکیزہ شجر کی جڑ کاٹی ہے۔ اور اب اپنے بزرگوں کو پکارتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ تیرا جواب دیں گے۔ لیکن بہت جلد تُو بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا اور اُس دن آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ شل ہو گئے ہوتے اور میں گونگا اور بہرہ ہوتا۔“[۱]

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے یزید سے اس خطاب کے بعد اپنا خطاب سننے والے جمِ غفیر کے جذبات واحساسات جھنجھوڑنے کے لیے آسمان کی طرف رخ کیا اور اس حالت میں کہ گویا اپنے تمام رنج والم بھول چکی ہیں، پروردگارِ عالم کو پکارا:

”اَللّٰهُمَّ خُذْ بِحَقِّنَا وَ انْتَقِمْ مِنْ ظَالِمِنَا وَ اَحْلِلْ غَضَبَكَ بِمَنْ سَفَكَ دِمَاءَنَا وَ قَتَلَ حُمَاتَنَا۔“[۲]

”خدایا! تُو ان ظالموں سے ہمارا حق ہمیں واپس دلا اور ان پر اپنا غضب نازل فرما جنہوں نے ہمارا خون بہایا ہے اور ہمارے حامیوں کو قتل کیا ہے۔“

---

[۱] لہوف۔ص ۲۱۶، ولواعج الاشجان۔ص ۱۷۵

[۲] لہوف۔ص ۲۱۷، ولواعج الاشجان۔ص ۱۷۶

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی اس دعا نے لوگوں پر گہرا نفسیاتی اثر ڈالا۔ آپؑ چاہتی تھیں کہ اس ذریعے سے یزید کو بتا دیں کہ اگر چہ آج تُو طاقتور اور ہم ضعیف و کمزور نظر آ رہے ہیں اور تجھ سے اپنے حق کی بازیابی پر قدرت نہیں رکھتے، لیکن خداوند عالم مستقبل میں ہمارا حق ہمیں لوٹائے گا اور تجھ سے ہمارا انتقام لے گا۔ کیونکہ تُو نے ہم پر ظلم کیا ہے اس لیے بہت جلد خدا کا غضب تجھ پر نازل ہوگا، کیونکہ وہ پاکیزہ لوگوں کا خون بہائے جانے پر غضب ناک ہوتا ہے۔

اس کے بعد آپؑ نے کہا:

"فَوَ اللهِ مَا فَرَيْتَ اِلَّا جِلْدَكَ وَلَا جَزَزْتَ اِلَّا لَحْمَكَ۔"[۱]

"یزید! بخدا تُو نے صرف اپنی ہی کھال ادھیڑی ہے اور صرف اپنا ہی گوشت پارہ پارہ کیا ہے۔"

درحقیقت حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی مراد یہ ہے کہ اس ظالمانہ عمل سے اے یزید! تُو نے خود اپنی قبر کھود لی ہے۔

"وَ لَتَرِدَنَّ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ بِمَا تَحَمَّلْتَ مِنْ سَفْكِ دِمَاءِ ذُرِّيَّتِهٖ وَ انْتَهَكْتَ مِنْ حُرْمَتِهٖ فِيْ عِتْرَتِهٖ وَ لُحْمَتِهٖ حَيْثُ يَجْمَعُ اللهُ شَمْلَهُمْ وَ يَلُمُّ شَعَثَهُمْ وَ يَأْخُذُ بِحَقِّهِمْ۔"[۲]

"تُو بہت جلد، روزِ قیامت رسول خداؐ کا سامنا کرے گا۔ اس حال میں کہ ان کی اولاد کا خون بہانے اور ان کے خاندان اور جگر گوشوں کی بے حرمتی (کے گناہ) کا بھاری بوجھ تیرے کاندھے پر ہوگا۔ اُس دن اللہ ربّ العزت، پیغمبرؐ اور اُن کے گھرانے کو اکٹھا کرے گا، ان کے بکھرے ہوؤں کو یکجا کرے گا

---

[۱] لہوف۔ص ۲۱۷، ولواعج الاشجان۔ص ۱۷۶

[۲] لہوف۔ص ۲۱۷، ولواعج الاشجان۔ص ۱۷۶

اوران کا حق واپس دلائے گا۔"

اس کے بعد آپؑ نے اس آیت قرآن کی تلاوت فرمائی:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔"

"اور خبردار! راہِ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرنا، وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں۔"[۱]

یعنی وہ لوگ جو تیرے ہاتھوں مارے گئے ہیں وہ تو راہِ خدا کے مسافر تھے جبکہ تُو شیطان کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ اور جو کوئی راہِ خدا کی طرف قدم بڑھاتا ہے وہ خدا کے نزدیک رضوان، کرامت اور نعمت کا حامل ہے اور یہ تمام شہداء کی روزی ہے۔

"حَسْبُكَ بِاللّٰهِ وَلِيًّا حَاكِمًا وَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَ سَلَّمَ خَصِيْمًا۔"[۲]

"اس دن خدا مالک اور فیصلہ کرنے والا ہوگا اور محمدؐ مدعی۔"

یزید کی تذلیل

اس گفتگو کے بعد حضرت زینب سلام اللہ علیہا، یزید کے سامنے اپنی فضیلت و بزرگی کا نقشہ کھینچتی ہیں جس کی بنیاد ایمان، رسالت اور اُن کی عظمتِ کردار ہے اور فرماتی ہیں:

"تُو اس قابل نہیں کہ تجھ سے بات کی جائے لیکن بعض حالات انسان کو نااہل لوگوں سے گفتگو پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

---

[۱] سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۱۶۹

[۲] لہوف۔ص ۲۱۷، ولواعج الاشجان۔ص ۱۷۶

"اِنِّیْ لَاَسْتَصْغِرُ قَدْرَكَ وَ اَسْتَعْظِمُ تَقْرِيعَكَ وَ اَسْتَكْبِرُ تَوْبِيْخَكَ لٰكِنَّ الْعُيُوْنَ عَبْرٰى وَ الصُّدُوْرَ حَرّٰى"[1]

"میں تجھے حقیر سمجھتی ہوں اور تیری ملامت تک کو گراں سمجھتی ہوں لیکن کیا کروں کہ ہماری آنکھیں گریاں اور دل غم واندوہ سے بھرے ہوئے ہیں۔"

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اس ولولہ انگیز اور جوشیلے خطاب کے ذریعے رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں کے سامنے کربلا کی تعلیمات کو ہمیشہ کے لیے مجسم کردیا۔ لٰہذا آخر میں انتہائی دوٹوک الفاظ میں یزید کو پکار کر کہا:

"وَلَا تُمِيْتُ وَحْيَنَا"

"تُو ہماری وحی کو کبھی فنا نہیں کرسکتا۔"

تُو ہمارے گھرانے میں شمعِ وحی کی لو کو بجھا نہیں سکتا۔ وحی ہمارے ہی گھر میں نازل ہوئی ہے اور ہم ہی وحی کے محافظ تھے اور رہیں گے۔ لیکن پوری تاریخ میں تجھ پر لعنت ملامت کی جائے گی اور تجھ پر ہزارہا لعنتیں ہوں گی۔

یہ زینب ؑ کون ہیں؟

ہاں! یہ وہی زینب سلام اللہ علیہا ہیں جو معنویت اور عظمتِ کردار کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ یہ وہی زینب سلام اللہ علیہا ہیں جن کی پرورش قرآنی تعلیمات کے سائے میں ہوئی ہے۔

یہ ہی زینب سلام اللہ علیہا ہیں جو ایک زبردست خطیب ہیں۔

اُن کی یاد مناتے ہوئے خواتین کو اُن سے یہ درس لینا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کے برخلاف عورت کو میدانِ حیات کے بیچوں بیچ رکھیں جو یہ چاہتے ہیں کہ عورت کو میدانِ حیات سے باہر رکھیں اور اس کی عقل اور عزم وارادے پر سستی اور ناتوانی کو مسلط کریں اور

---

[1] لہوف۔ص۲۱۷، ولواعج الاشجان۔ص۱۷۶

اسے میدانِ مبارزہ میں ذمّے داریاں قبول کرنے سے دور رکھیں۔

حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا، مسلمان عورت سے کہتی ہیں کہ آؤ میری طرف آؤ۔ میں، جس نے ایک ایسی ماں کی آغوش میں پرورش پائی ہے جو حق کی حمایت کے سلسلے میں ایک مثالی نمونہ ہیں، میں جو وارثِ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہوں، وارثِ خدیجہ سلام اللہ علیہا ہوں، جنہوں نے اپنا سب کچھ (فکر، روح، احساسات، مال اور مقام) رسول خداؑ کے حوالے کر دیا اور رسول اللہؐ کی ہمراہی میں فقر و تنگ دستی کو قبول کیا۔

میں زینبؑ ہوں، وہی زینبؑ جس نے حق و باطل کے درمیان جنگ کے میدان میں اپنی تمام زندگی پرچمِ حق کو اپنے دوش پر اٹھائے رکھا۔

میں یہ چاہتی ہوں کہ مسلمان عورت کی پوری زندگی (سخت ترین حالت میں بھی) حق و حقیقت کی حمایت کرتے ہوئے بسر ہو اور اس کی فکر، کلام اور جد و جہد، اسلام کے لیے ہو۔

یہی مسلمان عورت کے لیے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا پیغام ہے۔

مسلمان عورت کو چاہیے کہ وہ حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کی صدا کو بغور سنے اور اسلام کو اپنی پسماندگی، میدانِ حیات سے دُوری اور گوشہ نشینی کا سبب نہ سمجھے۔

زینب سلام اللہ علیہا ایک ایسے میدانِ جہاد میں جم کر کھڑی رہیں، جہاں خون کی نہریں جاری تھیں اور سخت ترین مصائب کے دوران بھی انہوں نے اپنی سوجھ بوجھ اور ارادے و اختیار کی لگام ہاتھ سے نہ چھوڑی۔ اور وہ جانتی تھیں کہ اس جاں نثاری اور فداکاری کا مقصد کیا ہے؟ ان کے درد، اپنے فرائض اور وظیفے کے درد ہیں، دین کے درد ہیں۔

ہمیں حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا سے ذمّے داریوں کے اِس درد کو اخذ کرنا چاہیے۔

❁❁❁❁

احادیثِ حضرتِ فاطمہؑ

از: شہید سیّد سعید حیدر زیدی

۱۔ ”جو کوئی اپنی مخلصانہ عبادتیں خدا کی طرف روانہ کرتا ہے، خداوندِ متعال اُس کی عظیم ترین مصلحتوں کو اُس کی طرف ارسال کرے گا۔“[۱]

۲۔ ”مومن سے خوش روئی سے پیش آنے کی جزا جنت ہے اور جھگڑالو دشمن سے خوش روئی سے پیش آنے کی جزا انسان کو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھتی ہے۔“[۲]

۳۔ ”جو شخص کھانا کھانے کے بعد گندے اور چکنے ہاتھوں کے ساتھ سو جائے، اُسے اپنے سوا کسی اور کو ملامت نہیں کرنی چاہیے۔“[۳]

۴۔ ”تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو لوگوں کے ساتھ طرزِ عمل میں نرم تر اور مہربان تر اور اپنے ہمسروں سے مہربان اور درگزر کرنے والے ہیں۔“[۴]

۵۔ ”اگر روزہ، روزے دار شخص کی زبان، کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں کو

---

[۱] بحارالانوار۔ ج ۷۰۔ ص ۲۴۹

[۲] بحارالانوار۔ ج ۷۵۔ ص ۴۰۱

[۳] کنزالعمال۔ ج ۱۵۔ ص ۲۴۲، ح ۴۰۷۵۹

[۴] دلائل الامامہ۔ طبری۔ ص ۷

ناپسندیدہ اعمال کے ارتکاب سے محفوظ نہ رکھے تو روزے کا کیا کرنا چاہتا ہے (یعنی اُس کے کس کام کا)۔"[۱]

۶۔ "عورت کے لیے بہتر یہ ہے کہ (بلاضرورت) نامحرم مردوں کو نہ دیکھے، اور نامحرم بھی اسے نہ دیکھیں۔"[۲]

۷۔ "جس لحظے عورت اپنے گھر میں (گھریلو معاملات اور بچوں کی تربیت میں مشغول) ہوتی ہے تو خدا سے نزدیک تر ہوتی ہے۔"[۳]

۸۔ "حضرت فاطمہؑ ایک مومنہ خاتون سے (جس نے ایک دینی اور عقیدتی بحث میں ایک فاسد اور دشمن اہل بیتؑ عورت پر غلبہ پایا تھا) بہت خوش ہوئی تھیں اور فرمایا تھا: بے شک اس معاند عورت پر تیرے غلبے پر تجھ سے زیادہ فرشتے خوش ہیں اور اس شکست خوردہ عورت کے غم و اندوہ سے شیطان اور اس کے دوست پریشان اور غمزدہ ہیں۔"[۴]

۹۔ "اگر جس چیز کا ہم تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے تمہیں متنبہ کریں (روکیں) دور رہو، تو ہمارے شیعوں میں سے ہو گے وگرنہ نہیں۔"[۵]

۱۰۔ "ہمارے شیعہ اہل بہشت کے بہترین افراد ہیں۔ ہمارے تمام دوست اور ہمارے دوستوں کے دوست، اور ہمارے دشمنوں کے دشمن لوگ جو اپنے قلب اور زبان سے ہم اہل بیتؑ کے سامنے تسلیم ہوں، اگر ہمارے اوامر سے سرپیچی کریں اور ہمارے نواہی اور پرہیز کے موارد کو محترم نہ سمجھیں ہمارے

---

[۱] مستدرک الوسائل۔ ج ۷۔ ص ۳۶۶

[۲] بحارالانوار۔ ج ۷۳۔ ص ۶۹

[۳] بحارالانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۹۲

[۴] بحارالانوار۔ ج ۲۔ ص ۸

[۵] بحارالانوار۔ ج ۶۸۔ ص ۱۵۵

حقیقی شیعہ نہیں ہوں گے۔اس کے باوجود ان کا ٹھکانہ جنت ہوگی لیکن گناہوں سے پاک ہونے کے بعد اور دنیا میں بلاؤں اور مصیبتوں کے بعد، روزِ قیامت کی مشکلات اور شدائد جھیلنے کے بعد یا ایک مختصر مدت کے لیے جہنم کے بالائی طبقات میں رہنے اور عذاب کے بعد، یہاں تک کہ ہم اپنے سے محبت رکھنے کی وجہ سے انہیں نجات دلا کر اپنے پاس منتقل نہ کرلیں۔"[۱]

۱۱۔ "مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں (۱) تلاوتِ قرآن (۲) رسول خداؐ کے چہرے پر نگاہ ڈالنا (۳) راہِ خدا میں انفاق۔"[۲]

۱۲۔ "دسترخوان پر بارہ گراں قدر دستورِ عمل اس بات کے مستحق ہیں کہ ہر مسلمان ان سے شناسا ہو، ان میں سے چار واجب ہیں، چار مستحب ہیں اور چار ادب کی علامت ہیں۔

چار واجب دستورِ عمل یہ ہیں:

۱)۔خدا کی شناخت اور معرفت (کہ نعمتیں اُس کی جانب سے ہیں)

۲)۔خدا کی نعمتوں پر راضی رہنا

۳)۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا، کھانا شروع کرنے سے پہلے۔

۴)۔خدا کا شکر و سپاس

چار مستحب دستورِ عمل یہ ہیں:

۱)۔کھانے سے پہلے وضو کرنا

۲)۔اُلٹے ہاتھ کی جانب بیٹھنا

۳)۔بیٹھ کر کھانا کھانا

---

[۱] بحار الانوار۔ج ۶۸۔ص ۱۵۵

[۲] نہج الحیاۃ۔ص ۲۷۱

۴)۔ تین انگلیوں سے کھانا کھانا۔

وہ چار دستورِ عمل جو ادب کی علامت ہیں، یہ ہیں:

۱)۔ جو کچھ آپ کے سامنے ہواُسے کھانا

۲)۔ چھوٹے چھوٹے لقمے لینا

۳)۔ کھانے کو اچھی طرح چبانا اور خوب نرم کرنا

۴)۔ کھانا کھانے کے دوران دوسروں کے چہروں کو کم دیکھنا۔" [۱]

۱۲۔ "اپنی ماں کی خدمت کرو، کیونکہ جنت ماؤں کے قدموں تلے ہوتی ہے۔" [۲]

حضرت فاطمہؑ کے فضائل

۱۔ ابو ہریرہ سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا:

"فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فاطمہؑ اس لیے کہا جاتا ہے کہ خدا نے آپؑ کے محبوں کو آتش جہنم سے دور رکھا ہے۔" [۳]

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے پوچھا: "فاطمہؑ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا نام فاطمہؑ کیوں رکھا گیا ہے؟"

حضرت علی سلام اللہ علیہا نے پوچھا: کیوں؟

فرمایا: کیونکہ یہ اور ان کے پیروکار آتش دوزخ سے دور رکھے گئے ہیں۔" [۴]

۳۔ آپؑ ہی سے نقل ہوا ہے کہ فرمایا:

---

[۱] عوالم العلوم۔ للعلامۃ بحرانی۔ ج۱۱۔ ص۶۲۹

[۲] نہج الحیاۃ۔ ص ۳۱۲

[۳] کشف الغمہ۔ ص ۱۳۹، ۷۸۳

[۴] کشف الغمہ۔ ص ۱۳۹، ۷۸۴

"خدا کی بارگاہ میں فاطمہؑ کے نو (۹) نام ہیں، فاطمہ، صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، زکیہ، رضیہ، مرضیہ، محدثہ اور زہرا۔ پھر فرمایا: آپؑ کو فاطمہؑ اس لیے کہا گیا ہے کہ آپؑ بُرائیوں سے دور ہیں اور اگر علیؑ نہ ہوتے تو رُوئے زمین پر کوئی آپؑ کا ہمسر نہ ہوتا۔" [۱]

۴۔ حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ رسول خداؐ نے فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا:

"بیٹی! خداوندِ عالم نے دنیا پر نگاہ ڈالی، اور مجھے دنیا کے مردوں میں سے منتخب کیا، اس کے بعد دوبارہ نگاہ ڈالی اور تیرے شوہر (علیؑ) کو مردوں سے منتخب کیا، تیسری بار دنیا پر نگاہ ڈالی اور دنیا کی عورتوں میں سے تجھے منتخب کیا اور آخر کار چوتھی مرتبہ نگاہ ڈالی اور جوانانِ عالم میں تیرے بیٹوں کو چنا۔" [۲]

۵۔ رسول خداؐ سے مروی ہے کہ فرمایا:

"جنت چار خواتین کی مشتاق ہے، مریمؑ دختر عمران کی، آسیہؑ دختر مزاحم (فرعون کی بیوی جو جنت میں پیغمبرؐ کی ہمسر ہو گی) خدیجہؑ دختر خویلد جو دنیا اور آخرت میں پیغمبرؐ کی ہمسر ہیں اور فاطمہؑ دختر محمدؐ۔" [۳] [۴]

حضرت فاطمہؑ کی احادیثِ رسولؐ کی جانب خصوصی توجّہ

رحلتِ رسولؐ کے چند دن بعد ایک شخص حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے درِ دولت پر حاضر ہوا اور آپؑ سے عرض کیا:

"کیا رسول خداؐ نے آپؑ کے پاس یادگار کے طور پر کوئی چیز چھوڑی ہے کہ

---

[۱] کشف الغمہ۔ ص ۱۳۹، ۷۸۵

[۲] کشف الغمہ، ص ۱۳۹، ۷۸۷

[۳] کشف الغمہ۔ ص ۱۴۰

[۴] تمام احادیث نقل از محجۃ البیضا۔ ج ۳۔ ص ۲۴۵۔ از ملاّ محسن فیض کاشانی

آپؑ مجھے اُس سے مستفیض فرمائیں۔"

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ذہن میں رسول خداؐ کی ایک حدیث آئی، لہٰذا آپؑ نے اپنی کنیز سے فرمایا:

"جاؤ اور جا کر وہ تحریر لے آؤ۔"

کنیز وہ تحریر لینے گئی لیکن اسے وہ نہ ملی اور واپس آ کر اُس نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے کہا:

"مجھے وہ تحریر نہیں مل رہی۔"

حضرت فاطمہؑ نے اُس سے فرمایا:

"وَيْحَكِ اطْلُبِيهَا، فَإِنَّهَا تَعْدِلُ عِنْدِي حَسَنًا وَحُسَيْنًا."

"وائے ہو تم پر جاؤ اور اسے ڈھونڈ کر لاؤ، میرے نزدیک اُس کی قدر و قیمت حسنؑ اور حسینؑ کے برابر ہے۔"

کنیز گئی اور اُس نے زیادہ توجّہ کے ساتھ ڈھونڈا تو اُسے وہ تحریر گھر کے ایک کونے سے مل گئی، جہاں بے کار چیزیں ڈالی جاتی تھیں، وہ اُس تحریر کو حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں لائی، اُس پر لکھا تھا:

"قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ مَنْ لَمْ يَأْمَنْ جَارُهُ بَوَائِقَهُ...."

"ایسا شخص مومن نہیں جس کا ہمسایہ اُس کے آزار سے محفوظ نہ ہو، ایسا شخص جو خدا اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ ایسا شخص جو خدا اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات زبان پر لاتا ہے یا خاموش رہتا ہے۔ خداوندِ عالم خیر خواہ، بُردبار اور پاک دامن انسان کو پسند کرتا ہے اور بدزبان، کینہ پرور اور (مرد کے لیے) بہت زیادہ سوال کرنے والے

انسان کو پسند نہیں کرتا۔ جان لو کہ حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں داخلے کا موجب ہے اور ناسزا گوئی (گالم گلوچ) بے شرمی ہے اور بے شرمی آتش جہنم میں داخلے کا موجب ہے۔" [۱]

❁❁❁❁

[۱] دلائل الامامہ طبری۔ص ا، سفینۃ البحار۔ج ا۔ص ۲۲۱، نقل از داستانِ دوستاں۔جلد ۳۔ص ۳۰۶۔ح ۱۸۸

فضائل حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

شہید سیّد سعید حیدر زیدی

۱۔ ہمارے یہاں بڑی شدت کے ساتھ یہ بات رائج ہو چکی ہے کہ ائمہؑ کی شہادت کے سلسلے میں منعقدہ مجالس یا اُن کی ولادت کے سلسلے میں منعقدہ محافل میلاد میں اُن ہستیوں کا اس انداز میں ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ ہستیاں ہماری پہنچ سے بہت دُور ہیں۔ ہم انہیں آسمانی مخلوق قرار دیتے ہیں اور خود کو خاکی۔ اور ظاہر ہے کہ جب ایک ہستی آسمانی اور دوسری خاکی ہو تو یہ خاکی ہستی اپنے آپ کو اس آسمانی ہستی کی پیروی سے عاجز سمجھے گی اور عقیدت کے ساتھ اُس کا تذکرہ تو کرے گی لیکن اُسے اپنی زندگی میں نمونۂ عمل بنانے کی کوشش نہیں کرے گی، کیونکہ:

چہ نسبت خاک را، با عالمِ پاک

اس سلسلے میں شہید مطہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل مکہ میں سے ایک گروہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وابستہ قرار دیتا تھا، لیکن ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ انہیں آسمانوں میں سمجھتے تھے، ان کا کوئی تعلق زمین سے نہیں قرار دیتے تھے۔ لہٰذا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور ان لوگوں نے انہیں مکہ کی سرزمین پر چلتے پھرتے اور مختلف امور انجام دیتے دیکھا

تو کہنے لگے کہ یہ کیسا رسولؐ ہے جو ہمارے ساتھ چلتا پھرتا اٹھتا بیٹھتا ہے اور یوں ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان پر بٹھا دینا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنا۔

۲۔ کسی بھی شخصیت کی عظمت ان اصولوں کے ساتھ اُس کی وابستگی اور ان کے لیے قربانی دینے سے وابستہ ہے۔

حضرت فاطمہ الزہراؑ سیّدۃ النساء العالمین

استیعاب میں ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فاطمہ زہراؑ سے فرمایا:

"اے بیٹی! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہو؟

انہوں نے فرمایا:

"بابا! مریمؑ بنت عمران کی کیا حیثیت ہے؟"

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں۔"

شیخ صدوقؒ نے اپنی امالی میں نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"فاطمہ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔"

جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں، تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

"وہ مریمؑ بنت عمران ہیں، میری بیٹی تو اوّل و آخر کے سارے جہانوں کی عورتوں کی سردار ہے۔"

ایسی بہت سی روایات ہیں جو شیعہ اور سنّی محدثین نے اپنے مجموعوں میں روایت کی ہیں اور وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ (سیرۂ ائمہ اہل بیتؑ ہاشم معروف حسنی۔ ج ۱۔ ص ۸۴، ۸۵)

ظاہر ہے یہ فضیلت اس وجہ سے نہیں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پوری زندگی احکامِ الٰہی کی پابندی اور دین الٰہی کی ترویج، تحکیم اور پاسداری میں بسر ہوئی ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہراؑ اپنے والد کی مونس و غمخوار

ایک دن قریش سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے رسول خداؐ کے سر پر ریت ڈال دی۔ آنحضرتؐ خاک آلود سر اور لباس کے ہمراہ گھر پہنچے فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا دوڑتے ہوئے اپنے والد کے استقبال کو پہنچیں اور اُن کی حالت دیکھ کر ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ آپؑ اپنے والد گرامی کے سر، چہرے اور لباس کو صاف کرتی جاتیں اور روتی جاتیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"بیٹی! گریہ نہ کرو، خدا تمہارے باپ کا پشت پناہ ہے۔"[1]

"ایک دن پیغمبر اسلامؐ مسجد میں نماز میں میں مشغول تھے، مشرکین کا ایک گروہ آپؐ کا مذاق اُڑا رہا تھا اور آپ کو اذیت دینا چاہتا تھا، آپ مسجد میں تھے کہ ان میں سے ایک شخص نے تازہ نحر شدہ اونٹ کی خون اور غلاظت سے بھری اوجھڑی اٹھا کر آنحضرتؐ کی پشت پر ڈال دی۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اُس وقت مسجد میں موجود تھیں، جب آپؑ نے یہ منظر دیکھا تو آپ کو بہت رنج ہوا، تیزی سے آگے بڑھیں اور آنحضرتؐ کی پشت مبارک سے اس گندگی کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ ج ا۔ص ۵۸، نقل از منزلتِ زن۔ ص ۲۱، ۲۲

[2] مناقب ابن شہر آشوب۔ ج ا۔ص ۶۰ نقل از فاطمۃ الزہرؑا مثالی خاتون

اسلام کے خلاف سازشوں سے باخبر

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی اسلام سے وابستگی اور شعور کا یہ عالم تھا کہ آپؑ بچپنے سے ہی اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی طرف سے ہوشیار رہتی تھیں۔

"ایک دن آپؑ مسجد الحرام میں تشریف لے گئیں، وہاں آپؑ نے مشرکین کو دیکھا جو پیغمبر اسلامؐ کے قتل کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ آپؑ دوڑتی ہوئی اشک بہاتی ہوئی گھر واپس آئیں اور اپنے والد کو مشرکین کی سازش سے آگاہ کیا۔ [۱]

فاطمۃ الزہراؑ میدان جنگ میں بھی

فاطمۃ الزہراؑ جنگِ اُحد میں چودہ دیگر خواتین کے ساتھ جنگ کے علاقے میں تشریف لے گئیں۔ جب آپؑ نے پیغمبر اسلامؐ کو خون میں نہایا ہوا دیکھا تو آپؑ نے اپنے والد کو آغوش میں لیا اور اُن کے چہرے سے خون صاف کیا۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی نگاہ جب حضرت علیؑ کی خون آلودہ تلوار پر پڑی تو آپؑ نے اسے لے کر دھویا اور فرمایا:

"کیا خوب جنگ کی ہے آپ نے۔" [۲]

فاطمۃ الزہرا مثالی زوجہ

اطاعت الٰہی میں یاور و مددگار

حضرت علی علیہ السلام کی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے شادی کے تیسرے دن رسول مقبولؐ حضرت علی سلام اللہ علیہا کے گھر تشریف لائے اور آپؑ سے پوچھا:

---

[۱] مناقبِ ابن شہر آشوب۔ ج ۱۔ ص ۷۱ نقل از منزلتِ زن۔ ص ۲۲

[۲] مغازی واقدی۔ ج ۱۔ ص ۲۳۹

"اے علیؑ! تم نے فاطمہؑ کو کیسا پایا؟"

امیرالمومنینؑ نے جواب دیا:

"نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰی طَاعَۃِ اللّٰہِ"

"اطاعتِ الٰہی کے لیے بہترین مددگار۔"[۱]

حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی حیات کی آخری ساعتوں میں حضرت علی علیہ السلام سے کہا:

"چچا کے بیٹے! میں نے ساری عمر آپؑ سے جھوٹ نہیں بولا، خیانت نہیں کی اور کبھی آپ کی مخالفت نہیں کی۔ حضرت علیؑ نے کہا: ہاں، ایسا ہی ہے اے دخترِ رسولؐ معاذ اللہ جو آپؑ کسی گناہ کی مرتکب ہوئی ہوں۔ معرفتِ الٰہی، نیکوکاری، تقویٰ، اور خدا ترسی میں آپ کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ آپ میری مخالفت کی مرتکب ہوئی ہوں۔ آپ کی فرقت مجھ پر سخت گراں ہے۔"[۲]

---

[۱] بحارالانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۱۱۷

[۲] بحارالانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۹۱

فاطمۃ الزہرا ؑ گھریلو زندگی

کاموں کی تقسیم

پیغمبر اسلام ؐ نے شادی کے ابتدائی دنوں میں گھر کے کاموں کو علی اور فاطمہ علیہا السلام کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔

گھر کے اندر کے کاموں کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے سپرد کیا، اور گھر سے باہر کے کاموں کو حضرت علی علیہ السلام کی ذمّے داری قرار دیا۔

ایک روایت کے مطابق فاطمہ سلام اللہ علیہا کہتی ہیں:

"خدا جانتا ہے کہ میں یہ بات سن کر کس قدر خوش ہوئی کہ گھر سے باہر کے کام میرے ذمّے نہیں کیے گئے۔"[1]

علاوہ ازیں حضرت ؑ کے مسلسل محاذِ جنگ پر ہونے کی وجہ سے جو بسا اوقات دو تین مہینے تک طویل ہو جاتا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا گھر سے باہر کے بھی بعض کام جیسے پانی لانا، جلانے کے لیے لکڑیوں کا بندوبست کرنا وغیرہ وغیرہ انجام دیتیں۔ (اس بارے میں) امیر المومنین ؑ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

---

[1] بحار الانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۸۱

"فاطمہؑ گھر میں اس قدر پانی کی مشکیں لے کر آتیں کہ مشک کے نشانات ان کے بدن پر دیکھے جا سکتے تھے۔ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ان کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔ گھر کی صفائی ستھرائی اور کھانا پکانے کے سلسلے میں اس قدر زحمت اٹھاتی تھیں کہ ان کے کپڑے گندے ہو جاتے تھے۔"[۱]

شوہر سے فرمائش نہ کرنا

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی پوری زندگی میں بکثرت معاشی مشکلات کا شکار رہنے کے باوجود، حضرت علی علیہ السلام سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔ آپؑ فرماتی ہیں:

"میرے والد نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ اپنے شوہر سے کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہ کرنا، شاید اسے فراہم کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہو اور اُسے شرمندگی ہو۔"[۲]

فاطمہ زہراؑ عبادت الٰہی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میری بیٹی فاطمہؑ جب عبادت کے لیے محراب میں کھڑی ہوتی ہے تو اس کا نور آسمان کے فرشتوں کو چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ اور خداوند عالم فرشتوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میری کنیز کو دیکھو میری بارگاہ میں نماز کے لیے کھڑی ہے اور اس کا جسم خوف سے لرز رہا ہے، وہ میری عبادت میں غرق ہے۔ اے فرشتو! گواہ رہنا، میں نے فاطمہؑ کے پیروکاروں کو دوزخ کی آگ سے مامون قرار دے دیا ہے۔"[۳] امام حسنؑ فرماتے ہیں:

"فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار تھیں، خدا کی بارگاہ

---

[۱] بحارالانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۸۲، فاطمہ زہراؑ۔ از نصیر پور۔ ص ۵۵

[۲] تفسیر برہان۔ ج ۴۔ ص ۴۱۲

[۳] بحارالانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۱۷۲

میں اس قدر کھڑی رہا کرتی تھیں کہ ان کے پیر سوج جاتے تھے۔“ [۱]

امام حسن سلام اللہ علیہا ہی کا ارشاد ہے:

”میری والدہ شبِ جمعہ علی الصباح تک عبادت میں مشغول رہتی تھیں اور صبح کی سفیدی نمودار ہونے تک متواتر رکوع و سجود بجا لایا کرتی تھیں، میں نے دیکھا کہ آپ نے مومنین کے لیے نام بنام دعا کی لیکن اپنے لیے کوئی دعا نہ کی۔“

میں نے عرض کیا: ”امّاں جان! آپؑ اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتیں؟“

آپؑ نے فرمایا: ”بیٹا! پہلے ہمسائے اور پھر گھر۔“ [۲]

حضرت علی علیہ السّلام کے حق کا دفاع

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضرت علی علیہ السّلام کے حق کو غصب ہوتے دیکھا، تو آپؑ نے محسوس کیا کہ اس عمل کے نتیجے میں رسول خداؐ کی تمام زحمتیں برباد ہو جائیں گی۔ لہٰذا آپؑ مسجد نبویؐ تشریف لے گئیں اور وہاں غاصبوں کے خلاف تقریر کی۔

اور حسنین شریفین علیہما السّلام کے ہاتھ پکڑے اور مدینے کی گلیوں میں مہاجرین اور انصار کے دروازوں پر دستک دی، ان سے گفتگو کی، کہ وہ خاموش نہ بیٹھیں اور حق کی خاطر شہادت دیں۔ [۳]

❁❁❁❁

[۱] بحارالانوار۔ ج ۴۳۔ ص ۷۶

[۲] کشف الغمہ۔ ج ۲۔ ص ۹۴، دلائل الامۃ، ص ۵۶

[۳] نقل از منزلتِ زن۔ ص ۲۶

قصیدہ درشانِ حضرتِ سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

از: شاعرِ اہلِ بیتؑ جناب سیّد عابد حسین نقوی ہاتفؔ الوری

دینِ اسلام کا آسماں فاطمہؑ
عظمتِ خلد فخرِ جناں فاطمہؑ
کشتیٔ دین کی بادباں فاطمہؑ
میرے ایمان کا سائباں فاطمہؑ
اللہ اللہ خدائی کی جاں فاطمہؑ
سیّدالمرسلینؐ کی زباں فاطمہؑ
دین ظاہر نہ ہو گر نہاں فاطمہؑ
دینِ احمدؐ کی روحِ رواں فاطمہؑ
تیرا مرہون ہے تا اَبد یہ جہاں
تُو ہے مخدومۂ دو جہاں فاطمہؑ
تُو ہے مشکل میں مشکل کشاؑ کی دُعا

کُلِّ ایمان کی عزّ و شاں فاطمہؑ
تیری عظمت کا کیا ہو بیاں فاطمہؑ
تُو ہے گیارہ اماموں کی ماں فاطمہؑ
اے کنیزِ خدا، دخترِ مصطفیٰؐ
تُو ہے عصمت کا کوہِ گراں فاطمہؑ
تیرا حق کھانے والے پہ ہو صبحُ شام
دشمنِ آلؑ ہو بے نشاں فاطمہؑ
صدقہ حسنینؑ کا اب بنا دیجیے
ہاتفِؔ بے نوا کا جہاں فاطمہؑ

❊ ❊ ❊ ❊ ❊

مطبوعاتِ باب العلم دارالتحقیق

فروغِ ایمان ٹرسٹ، شمالی ناظم آباد، کراچی

طبع شُدہ کُتب

۱۔ تہذیب زندگی (طبع پنجم)
۲۔ نکتۂ جہاں بانی (عہد نامۂ مالکِ اشترؒ)
۳۔ احکام النّساء (طبع سوم میں یہ کتاب اور "مناسکِ حج مخصوص خواتین" مشترکہ چھپی ہیں)
۴۔ مناسکِ حج مخصوص خواتین
۵۔ نکتۂ جہاں بانی (محمدؒ بن ابی بکر)
۶۔ عباد الرّحمٰن (فی کُلِّ دھرٍ و زمانٍ)
۷۔ نسیمِ رحمت
۸۔ نہج الاعمال (طبع سوّم)
۹۔ قرآن اور شہزادی فاطمہ سلام اللہ علیہا (طبع دوّم)
۱۰۔ ادبی مضامین
۱۱۔ وَابۡتَغُوۡا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ
۱۲۔ کریمۂ اہل بیتؑ (طبع دوّم)

۱۳۔ وجودِ کائنات مولا علیؑ اور غدیرخم

۱۴۔ یہ پہاڑ جیسے جہاز

۱۵۔ لقمان حکیم کی نصیحتیں

۱۶۔ خورشیدِ وفا (طبع دوّم، نظرِ ثانی اور اضافوں کے ساتھ)

۱۷۔ دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی

۱۸۔ پچاس موضوعات پر سو واقعات

۱۹۔ چند مفید باتیں (مختصر ضروری احکام) جلد اول، دوم، سوم

۲۰۔ شخصیّت کا کردار (پہلا مجموعۂ تقاریر، مرکزی عشرۂ مجالس، مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی)

۲۱۔ نہج البلاغہ..... تفسیرِ قرآن (دوسرا مجموعۂ تقاریر، مرکزی عشرۂ مجالس، مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی)

۲۲۔ چہل حدیث درشانِ امیرالمومنین علیہ السلام

۲۳۔ مثالی ماں (طبع ہفتم)

۲۴۔ رازِ طہارت

زیرِ طبع کتب

۱۔ پاکستان میں شیعہ علماء کا کردار
۲۔ مُشکل کُشائے معنوی
۳۔ موضوعاتی شرحِ نہج البلاغہ
۴۔ امریکا......امام خمینیؒ کی نظر میں
۵۔ سیرتِ معصومینؑ (سوالات و جوابات)
۶۔ تفسیر آیات
۷۔ شرحِ نہج البلاغہ (آیۃ اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی)
(۱۵ر جلدیں، ترجمہ، تشریح)
۸۔ تاریخ شہداء
۹۔ شہدائے محراب و منبر پاکستان
۱۰۔ سیرتِ مصطفیٰؐ (تیسرا مجموعۂ تقاریر، مرکزی عشرۂ مجالس، مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی)
۱۱۔ ختم نبوت (چوتھا مجموعۂ تقاریر، مرکزی عشرۂ مجالس، مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی)
۱۲۔ اسلام اور حضرت ابو طالب علیہ السلام (مجموعۂ تقاریر، عشرۂ مجالس مسجد باب العلم
مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی)
۱۳۔ چہل حدیث
۱۴۔ مصائب اہل بیتؑ

❁❁❁❁❁

یاداشت